احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اگست 2025ء

ذکرِ مصطفی ﷺ ذکرِ خدا سے جدا نہیں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت و شان پر اعتقاد

اللہ تعالیٰ کی حقانیت پر ایمان کی علامت

محبتِ رسول ﷺ: صحابہ کرام ؓ کا طرزِ فکر و عمل

ربیع الاول اور نسبتِ محمدی ﷺ

یوم آزادی اور خود احتسابی

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدّین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدّین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد: 39 | شمارہ: 8
صفر / ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ / اگست 2025ء

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی

ایڈیٹر: محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر: ابدال احمد میرزا

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، ڈاکٹر محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد بلال اُپل، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین مشہدی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، علی عمران، داؤد حسین مشہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب

اداریہ: گلاسگو میں بین المسالک ہم آہنگی اور اتحادِ امت کانفرنس	چیف ایڈیٹر	5
القرآن: ذکرِ مصطفیٰ ﷺ ذکرِ خدا سے جدا نہیں	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	8
الفقہ: آپ کے فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	21
آقا ﷺ کی عظمت و شان پر اعتقاد	پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	26
عقیدت و محبتِ رسول ﷺ: صحابہ کرامؓ کا طرزِ فکر و عمل	ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ	35
ربیع الاوّل اور نسبتِ محمدی ﷺ	ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی	43
یوم آزادی اور خود احتسابی	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	51
ملک و قوم کی خدمت کے تقاضے اور قیادت کے اوصاف	احسان حسن ساحر	62
لبرل ازم کے مقاصد: الحادی فکر کی ترویج اور خاندانی نظام کا خاتمہ	ڈاکٹر شبیر احمد جامی	69
خصوصی ہدایات برائے میلاد مہم 2025ء		77

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ / رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | عکاسی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

انتباہ! مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمد باری تعالیٰ

مقصدِ تخلیق ہم پر کیا کھلا
نطقِ حمد رَبِّیَ الْاَعْلٰی کھلا

میری پیشانی کے ہر سجدے میں ہے
عبد اور معبود کا رشتہ کھلا

خاک و باد و آب و آتش یہ وجود
ہے تیرا اعجاز سر تا پا کھلا

جب کبھی دیکھا ازل سے تا ابد
لفظِ کُن کا ایک اک نکتہ کھلا

دیکھ کر عرشِ بریں کی رفعتیں
راز مجھ پر ہر بلندی کا کھلا

مسکراتی جب گلستاں میں کلی
جوہرِ قدرت نظر آیا کھلا

رہنما جب سے ہوا تیرا حبیبؐ
مجھ پہ منزل کا ہر اک رستہ کھلا

کچھ نہ تھا امیدِ رحمت کے سوا
نامۂ اعمال جب میرا کھلا

تیری رحمت نے لیا آغوش میں
منبعِ اشکِ ندامت کیا کھلا

یہ بھی سنت ہے تیرے رب کی نعیم
رکھنا اپنے دل کا دروازہ کھلا

(نعیم میرٹھی)

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

سوچوں میں بسا روضۂ محبوبِ خدا ہے
عشاق کی نظروں میں یہ معراجِ وِلا ہے

تکتی ہیں اسے رشک سے حورانِ جِناں بھی
وہ سر جو درِ سرورِ عالم پہ جھکا ہے

یہ عین حقیقت ہے جسے غیر بھی مانیں
صادق مرے آقا سا نہ ہوگا نہ ہوا ہے

بے جا ہے تجھے کاسہ گری تاج وروں کی
"تو شاہِ دو عالم کا گدا ہے تو بجا ہے"

ہر رفعتِ افلاک ہے گرویدۂ سرکار
کیا سدرہ ہے! کیا عرش ہے! کیا اوجِ دنیٰ ہے!

سامانِ سکینت ہے اسے حشر کا میداں
کونین کے غم خوار کے جو زیرِ لِوا ہے

عقبیٰ میں بھی پائیں گے نجات ان کے تصدق
دنیا میں بھی نام ان کا ہر اک غم کی دوا ہے

صد شکر کہ تقلید میں حسانؓ و رضاؒ کی
ہمذآلی سا بے مایہ بھی توصیف سرا ہے

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذآلی﴾

اداریہ

گلاسگو میں بین المسالک ہم آہنگی اور اتحادِ اُمت کانفرنس

تحریک منہاج القرآن کے بانی و سرپرست اعلیٰ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے حال ہی میں گلاسگو (سکاٹ لینڈ) میں جامع الفرقان اسلامک سنٹر میں ’’بین المسالک ہم آہنگی اور اتحادِ اُمت کانفرنس‘‘ سے خطاب کیا۔ اس کانفرنس کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں برطانیہ میں خدمتِ دین انجام دینے والے تمام مکاتبِ فکر کے جید علمائے کرام، ائمہ مساجد، مدارس دینیہ سے وابستہ مدرسین، مذہبی سکالرز نے شرکت کی۔ شیخ الاسلام نے اتحادِ اُمت کے موضوع پر فکر انگیز خطاب فرمایا اور تمام مکاتبِ فکر کو دعوت دی کہ اسلام دلوں کو جوڑنے کی تعلیمات سے مزین و مرصع ہے لہٰذا فروعی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر قرآن کے آفاقی پیغام کو دنیا میں عام کیا جائے۔ شیخ الاسلام نے اپنے خطاب میں اُمت کو لاحق خطرات سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ تکفیر و توہین کے ماحول سے اُمت کمزور ہو رہی ہے، تکفیر کے اس سیلِ رواں کے سامنے اگر فوری طور پر بند نہ باندھا گیا تو اُمت کا اتحاد جو اس کی اصل قوت ہے اس میں بے یار و مددگار بہہ جائے گا۔ آپ نے کلمہ نصیحت کے طور پر فرمایا کہ اگر فکر و نظر میں وسعت ہو تو ہم ایک جیسے نہ بھی ہوں تب بھی ایک ہو سکتے ہیں۔ اس ایک فکر انگیز جملے نے ہال کا احوال بدل کر رکھ دیا اور ہر طرف سے داد و تحسین کے کلمات بلند ہوئے۔

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ تمام مسالک علم و تحقیق کی بنیاد پر ایک دوسرے سے صحت مند مکالمہ کرتے رہیں گے تو سوسائٹی میں امن اور خیر کا غلبہ ہوگا۔ اسلام دلوں کو

جوڑنے والا الوہی دین اور ضابطۂ حیات ہے۔ اگر دین کی تعلیم و تحقیق، تدریس و تبلیغ اور نشر و اشاعت سے دل جڑنے کی بجائے ٹوٹ رہے ہیں، نفرت و انتشار بڑھ رہا ہے، مفاہمت کی بجائے مزاحمت اور مخاصمت فروغ پذیر ہے، اگر خطابات کے نتیجے میں تالی کی بجائے گالی کا شور زیادہ ہے تو پھر بلا تاخیر اپنے نفس کی گرفت اور محاسبہ کریں اور اپنے نفس کو شیطان کے آہنی پنجے سے واگزار کروائیں کیونکہ شیطان کی خوشی اُمت کو توڑنے اور تقسیم کرنے میں ہے جبکہ دین کثافت کی بجائے محبت اور لطافت کا ماحول پیدا کرتا ہے۔

شیخ الاسلام نے بڑے نصیحت آموز اور دل پذیر انداز میں اتحادِ اُمت کی ضرورت و اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح انسانی جسم کے تمام اعضاء دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں مل کر کام کرتے ہیں تو ایک توانا جسم ترتیب پاتا اور فعال ہوتا ہے اور اگر جسم کا کوئی عضو فطرت کے متعین کردہ مقاصد سے ہٹ کر کچھ کرے گا یا ہم جسمانی اعضا پر کوئی ایسا بوجھ ڈالنے کی کوشش کریں گے جس کے لئے وہ بنا نہیں ہے تو اس سے بھی جسم علیل ہوتے ہوتے تحلیل تک پہنچ جائے گا۔ انسانی جسم کی طرح اُمتِ مسلمہ کے مختلف مسالک اور مکاتبِ فکر دینِ حق کے مختلف پہلوؤں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کچھ مسالک دل کی طرح روحانیت، عشق الٰہی اور تصوف کی لطافتوں پر زور دیتے ہیں، کچھ مکاتبِ فکر دماغ کی طرح علم، منطق اور استدلال کو دین کی اساس مانتے ہیں، کچھ مسالک آنکھیں بن کر شریعت کے ظاہری احکام کی پاسداری کو اولیت دیتے ہیں، کچھ مسالک ہاتھ کی مانند خدمتِ خلق اور اصلاحِ معاشرہ کو دین کی روح سمجھتے ہیں۔ اگر جسم کا کوئی عضو اپنے مقام سے تجاوز کرتا ہے تو انسانی جسم بیمار ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح اگر اُمت میں کوئی مسلک خود کو حق پر سمجھتے ہوئے دوسروں کی تکفیر و توہین کرتا ہے تو اس سے اُمت کمزور ہوتی ہے۔ اتحاد کا مطلب یکسانیت نہیں بلکہ تکثیر اور مشترکات میں سے وحدت تلاش کرنا ہے۔

اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ تحریک منہاج القرآن کی قیادت پاکستان سمیت دنیا بھر میں اتحاد اُمت کے فروغ اور فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے نہایت فعال عملی کردار ادا کر رہی ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے گذشتہ سال لاہور میں درس ختم البخاری کے دوران اپنے خطاب میں ایک ایسا جملہ فرمایا جسے سن کر تمام مکاتبِ فکر کے علماء نے داد تحسین سے نوازا۔ آپ نے فرمایا کہ ”جس جنت میں رفع یدین کرنے والے داخل ہوں گے، اُسی جنت میں رفع یدین نہ کرنے والے بھی داخل ہوں گے۔“ منہاج القرآن کی قیادت نے اپنے کارکنان کو فرقہ واریت اور تکفیر و تحقیر اور طعن و تشنیع کے ماحول سے ہمیشہ دور رہنے کی نصیحت کی ہے۔ دشمنانِ اسلام کے ہتھکنڈوں میں سے سب سے بڑا ہتھکنڈا

انتشار و تفریق ہے۔ اس وقت اُمت کو جنگوں سے اتنا زیادہ نقصان نہیں پہنچا، جتنا نقصان فرقہ واریت اور باہمی لڑائی جھگڑوں سے پہنچا ہے اور ہنوز پہنچ رہا ہے۔ قرآن مجید نے فرقہ واریت کی سختی سے نفی کرتے ہوئے مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین فرمائی ہے۔ سورہ آل عمران میں اللہ رب العزت نے فرمایا: ” تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔“ یہ آیت کریمہ مسلمانوں کو ایک مرکز، ایک عقیدہ اور ایک اُمت بن کر باہم مل جل کر رہنے کی ہدایت کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے اُمت کے منتشر ہونے کو ذلالت و گمراہی قرار دیا ہے اور اسے اللہ کی ناراضگی کا سبب بتایا ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی روشنی میں فرقہ واریت نہ صرف ایک فکری گمراہی ہے بلکہ اُمتِ مسلمہ کی وحدت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ قرآن مجید کا پیغام واضح ہے کہ نجات، کامیابی اور عزت صرف اسی میں ہے کہ مسلمان آپس کے اختلافات کو خیر کے ساتھ برداشت کریں اور اسے جنگ و جدل کا ذریعہ نہ بنائیں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عالمی سطح پر بین المذاہب رواداری اور بین المسالک ہم آہنگی کے ذریعے نفرتوں کو مٹانے اور محبتوں کو پروان چڑھانے کے لئے قابلِ تحسین خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے منہاج القرآن انٹرنیشنل جیسا ادارہ قائم کیا جو دنیا بھر میں اتحادِ اُمت کا سفیر بن کر کام کر رہا ہے۔ آپ کے ہزاروں خطبات اور سیکڑوں کُتب عالمی امن کے حوالے سے فخر کے ساتھ پیش کی جا سکتی ہیں۔ شیخ الاسلام فی زمانہ ایک ایسی نابغہ روزگار اہلِ علم شخصیت ہیں جن کی نظر علم کی ہر شاخ پر ہے اور آپ نے اسلام کی ہمہ گیر فکر کو تحریک منہاج القرآن کے ذریعے پریکٹس بھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے خطابات اور اُن کی کتب میں اُمت کو درپیش ہر نوع کے مسائل پر راہ نمائی ملتی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے دینِ متین کی تجدید اور اُس میں پیدا ہونے والے سقم اور رطب و یابس سے پاک صاف تعلیمات عوام الناس کو مہیا کرنے اور فلسفہ عروج و زوال کے مطابق دینِ اسلام کے احیاء کی بابت حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ” اللہ تعالیٰ کے دین کو وہی شخص زندہ کرے گا جو دین کے تمام پہلوؤں کو اپنی جدوجہد کے احاطے میں داخل کرے گا۔ امام بیہقی بالفاظ دیگر یہی روایت اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کے دین کی وہی شخص مدد کرے گا جو اس کے دین کے تمام پہلوؤں کا احاطہ رکھتا ہو گا۔“ گویا موجودہ دورِ انحطاط کو پھر سے عروج آشنا کرنے کے لئے کسی ایسے راہ نما کی ضرورت تھی جس ہستی اور شخصیت کے علمی اثرات دینِ اسلام کے فقط ایک یا دو پہلوؤں تک محدود نہ ہوں بلکہ وہ شخصیت تمام پہلوؤں کو اپنی جدوجہد کے احاطہ میں لے کر میدانِ عمل میں اترے اور اس حوالے سے شیخ الاسلام کا علمی و تجدیدی کردار دنیا بھر میں نمایاں ہے اور اہلِ علم آپ کی علمی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی)

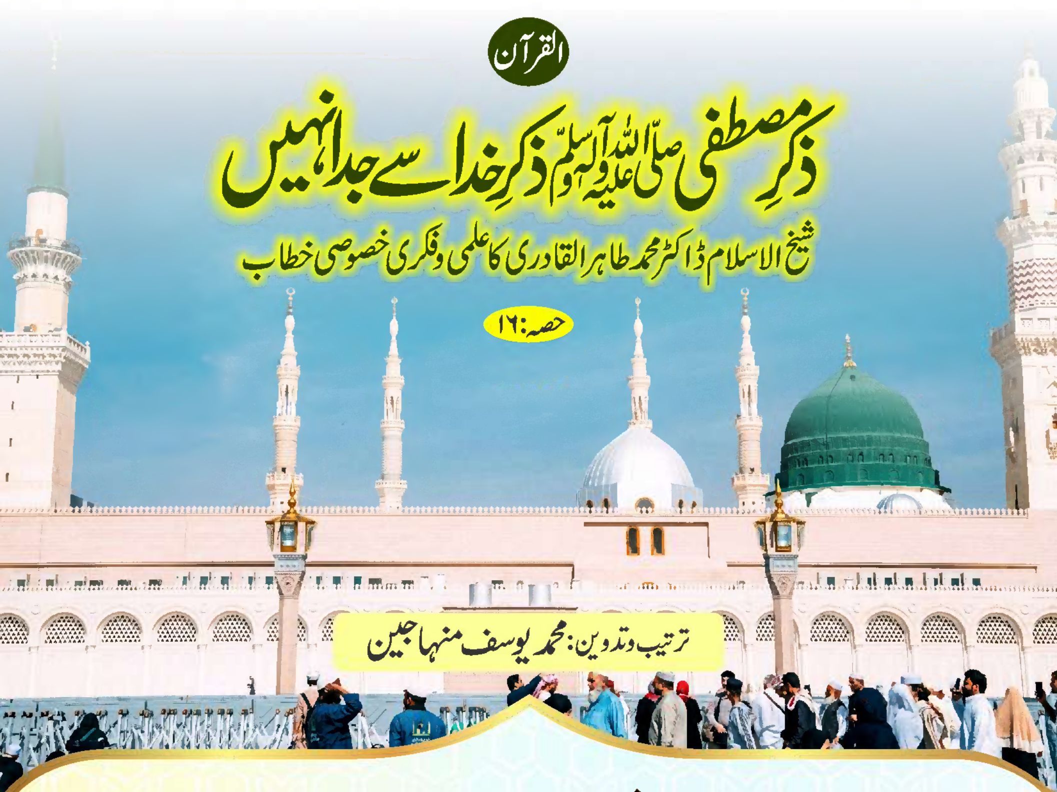

القرآن

ذکرِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکرِ خدا سے جدا نہیں

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

حصہ: ۱۶

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت کی خاص توفیق سے ہم اس سلسلہ وار تحریر میں عقیدۂ صحیحہ کے موضوع پر حجیتِ حدیث و سنت پر قرآن و حدیث سے دلائل کا مطالعہ کررہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و اتباع کرنے اور آپ ﷺ کی سنت و حدیث اور ہر فرمان کو امت پر فرض، واجب اور لازم کرنے کے لیے قرآن مجید کی بیسیوں آیات میں آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ ایسی بھی کئی آیات ہیں جہاں اللہ نے اپنا اور اپنے حبیب ﷺ کا ذکر واؤ عاطفہ کے ساتھ ملا کر کیا مگر اس کے لیے ضمیر واحد کی استعمال کی۔ مثلاً: اطاعت کے باب میں اپنا اور اپنے حبیب ﷺ یعنی دو ذاتوں کو بیان کیا مگر ان دونوں کے حکم کے بیان کے لیے ضمیر واحد کی استعمال کی تاکہ لوگ حضور علیہ السلام کی اطاعت اور اللہ کی اطاعت کو جدا نہ سمجھیں اور دونوں کو ایک ہی حیثیت میں لازم اور فرض سمجھیں۔ آیئے! حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث و سنت کی حجیت و اتھارٹی کا ایک اور زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کرتے ہیں:

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الانشراح، ۹۴: ۴)

(خطاب نمبر: Ci-38) (29 دسمبر 2013ء) (مقام: کینیڈا)

”اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر (اپنے ذکر کے ساتھ ملا کر دنیا و آخرت میں ہر جگہ) بلند فرما دیا۔“

اس آیت مبارکہ کی تفسیر خود اللہ رب العزت نے فرمائی ہے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آقا علیہ السلام کو اس سے آگاہ فرمایا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو سیدنا جبرائیل علیہ السلام آقا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

إن ربي و ربك يقول: كيف رفعت ذكرك؟

یارسول اللہ ﷺ! آپ کے رب اور میرے رب نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں آپ سے پوچھوں کہ اے میرے حبیب مکرم ﷺ! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟

یہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کے ساتھ ہمکلامی کا ایک بڑا محبت بھرا طریقہ ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: قلت: اللہ و رسوله أعلم۔

میں نے جبرائیل سے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔

یعنی آپ ﷺ اس آیت کی تفسیر اللہ سے ہی سننا چاہتے ہیں کہ آیت بھیجنے والے رب نے اس کی جو تفسیر فرمائی ہے جبرائیل مجھے اس سے آگاہ کرو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے: إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِي۔

(ابو یعلی، المسند، ۲: ۵۲۲، رقم: ۱۳۸۰)

آپ ﷺ کا ذکر بلند کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاں بھی میرا ذکر کیا جائے وہاں آپ ﷺ کا ذکر ضرور کیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام میں یہ اصول قائم کر دیا، اسے شرطِ ایمان اور شرطِ قبولیتِ اعمال بنا دیا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، الغرض ہر عبادت کے قبول ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں اللہ کا ذکر کیا جائے گا، وہاں آپ ﷺ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

اس موقع پر میں موضوع کی مناسبت سے اس آیتِ کریمہ کی وضاحت میں ایک خاص نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جو رب، رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر سے جدا کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اپنا ذکر رسول اللہ ﷺ کے بغیر کئے جانے کی اجازت نہیں دیتا، وہ رب

اپنی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بغیر کس طرح قبول کر سکتا ہے۔ وہ رب تو یہ فرماتا ہے کہ میرا نام بھی میرے محبوب ﷺ کے ذکر کے بغیر نہ لیا جائے تو وہ سنتِ رسول کی حجیت کے بغیر صرف قرآن کو حجت ماننے کو کیسے قبول کر سکتا ہے۔

ورفعنالك ذكرك کی تفسیر

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ کا معنی یہ ہے:

لا ذکرت الا ذکرت معی۔

(قرطبی، جامع لاحکام القرآن، ۲۰: ۱۰۶)

یعنی میرا ذکر کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر میرے محبوب کا ذکر ساتھ نہ کیا جائے۔ مثلاً: ہم اذان نہیں دے سکتے جب تک أشهد أن لا إله إلا الله کے بعد أشهد أن محمد رسول الله نہ کہیں گے۔۔۔ اقامت میں جتنی بار أشهد أن لا إله إلا الله کہیں گے متصلاً اتنی بار أشهد أن محمد رسول الله کہیں گے۔۔۔ حالتِ نماز میں جو منبع اور سرچشمۂ توحید ہے، اس کے تشہدِ اُولیٰ اور تشہدِ اُخریٰ میں درج ذیل چار مقامات میں اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کا ذکر داخل فرمایا ہے:

۱۔ تشہد میں اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ پیش کر کے ارادتاً اور شعوری طور پر حضور علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر سلام پیش کرتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ گویا حضور علیہ السلام کی طرف ملتفت ہوتے ہیں، متوجہ ہوتے ہیں، اپنی توجہ آقا علیہ السلام کی طرف مرکوز کرتے ہیں، آقا علیہ السلام کو قلبی، روحانی اور ذہنی تصور میں مخاطب ٹھہراتے ہیں اور خطاب کر کے عرض کرتے ہیں: اے نبی ﷺ! آپ پر سلام ہو۔

۲۔ تشہد کے اندر أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ بیان کر کے پھر وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھتے ہیں۔

۳۔ اُس کے بعد تشہد کے اگلے حصے میں درودِ ابراہیمی میں آقا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہیں اور اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ کے الفاظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے حضور علیہ السلام پر درود بھیجنے کی دعا کرتے ہیں۔

۴۔ پھر اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ کے الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے حالتِ نماز میں چوتھی مرتبہ حضور علیہ السلام پر برکتوں کے نزول کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نماز میں اپنے محبوب کا چار بار ذکر کرنے کا حکم دیا ہے اس سے إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيْ کا کاملاً مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اگر لوگ میری بارگاہ میں اپنے ہدیۂ نماز، ہدیۂ عبادت، بدنی، مالی، قولی عبادتیں پیش کریں اور میری توحید کا اقرار کریں تو میرے اس ذکر کے ساتھ چار مرتبہ آپ ﷺ کا ذکر کریں۔

اسی طرح یوم جمعہ، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے مواقع پر منابر پر خطبۂ جائز نہیں ہے اگر آقا علیہ السلام کا ذکر ساتھ نہ ہو۔ حتی کہ حج جیسی عبادت میں بھی مختلف ایام؛ یوم ترویہ، یوم عرفہ، یوم النحر اور مقامات؛ منیٰ، عرفات، مزدلفہ، مسجد الحرام، صفا و مروہ، جہاں جہاں اللہ کا ذکر کیا جائے گا وہاں وہاں آقا علیہ السلام کا ذکر بھی ہوگا۔ حتی کہ اگر مسلمان آپس میں ملیں تو اس وقت بھی رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من عبدين متحابين فى الله يستقبل أحدهما صاحبه فيصافحه ويصليان على النبى ﷺ إلا لم يفترقا حتى تغفر ذنوبهما ما تقدم منهما وما تأخر۔

(مسند أبي يعلى الموصلي، الرقم: ۲۹)

”دو ایسے مسلمان بندے جو صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے آپس میں محبّت کرتے ہیں، جب وہ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ مصافحہ کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، تو وہ دونوں علیحدہ بھی نہیں ہوتے ہیں کہ ان کے اگلے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

اسی طرح مسجد میں داخل اور خارج ہوتے ہوئے بھی حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوۃ و سلام پڑھا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُسَلِّمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ فَإِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ. (السنن أبو داود، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل عند دخوله المسجد، ۱: ۱۲۶، الرقم: ۴۶۵)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اُسے چاہئے کہ نبی ﷺ پر سلام بھیجے پھر کہے: اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو کہے: اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔“

حتیٰ کہ اپنے گھروں میں داخل ہوں تو تب بھی حضور علیہ السلام پر سلام بھیجیں گے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر فقر و فاقہ اور تنگی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا دخلتَ بيتَك فسَلِّم إن كان فيه أحدٌ ، وان لم يكن فيه أحد فسلّم عليّ ، وأقرأ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ مرة واحدة-

(الثعلبي في تفسيره "الكشف والبیان": ١٠: ٣٣٠)

”جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اگر کوئی وہاں موجود ہو تو سلام کرو اور اگر وہاں کوئی موجود نہ ہو، پھر مجھ پر سلام پیش کرو اور ایک بار (سورہ) قل ھو اللہ احد پڑھو۔“

ملا علی قاری نے ”شرح الشفاء“ میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ جب گھروں میں داخل ہوں اور اس وقت گھر میں کوئی بھی نہ ہو تو حضور علیہ السلام پر سلام پڑھا جائے۔اس لیے کہ:

ان روح النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام۔ (شرح الشفاء، ملاّ علی قاری، فصل فی المواطن التی تستحب فیھا الصلوۃ والسلام، ۲ /۱۱۸)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحِ کریم تمام جہان میں ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کا فیض ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کا فیض، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار، توجہات اور روح مبارکہ کے فیوضات ہر اہلِ ایمان کے گھر موجود ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام پر سلام پڑھنے کے لیے یہ لازمی نہیں کہ گنبد خضریٰ کے پاس مواجہ شریف کے قریب جالی مبارک کے سامنے جائیں تو سلام کہیں۔نہیں بلکہ شرق تا غرب جہاں بھی ہوں، حضور علیہ السلام پر سلام پڑھیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي مَجْلِسٍ فَتَفَرَّقُوا مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ اللهِ وَالصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (صحیح ابن حبان، کتاب البر والإحسان، باب الصحبۃ والمجالسۃ، ذکر البیان بأن تفرق القوم عن المجلس عن غیر ذکر اللہ، ۲/۳۵۱، الرقم: ۵۹۰)

جو لوگ کسی مجلس میں اکٹھے ہوئے اور پھر وہ (اس مجلس میں) اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود پڑھے بغیر منتشر ہو گئے تو وہ مجلس ان کے لیے قیامت کے روز باعث حسرت (وخسارہ) بننے کے سوا اور کچھ نہ ہو گی۔“

گویا وہ مجلس بے کار ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام نہ بھیجیں۔وہ مجلس بے برکت ہو گی اور ایسا بندہ جو آقا علیہ السلام پر درود سلام پڑھے بغیر مجلس سے اُٹھ جائے، قیامت کے دن حسرت یافتہ ہو گا اور اللہ کی رحمتوں سے محروم ہو گا۔

ان تمام احادیث سے یہ تصور واضح کرنا مقصود ہے کہ دینِ سلام میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے

حضور ﷺ کے ذکر کو اس قدر واجب و ناگزیر اوراپنے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر کو ایسے جوڑدیا ہے کہ انہیں جدا کر ہی نہیں سکتے۔اگرایسا کیا توایسا کرنااپنے ایمان کا جسد کاٹ ڈالنا ہے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر ذکرِ مصطفی کو ذکرِ الٰہی سے جدا نہیں کر سکتے تو پھر حضور ﷺ کی اطاعت کو اطاعتِ الٰہی سے اور سنت وحدیثِ مصطفی کی حجیت کو قرآن مجید کی حجیت سے کس طرح جدا کر سکتے ہیں۔تمام ائمہ مفسرین و محدثین کا کسی رد، طعن، قید،انکار اوراختلاف کے بغیر پندرہ صدیوں سے اس بات پر اجماع ہےاور ہر ایک نے اس اعتماد کیا ہے۔ کسی بھی امامِ حدیث اور امامِ تفسیر نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا۔

یہ بات اس لئے واضح کرنا مقصود ہے کہ آج کئی لوگ کتب کے مطالعہ کے بغیر کہہ دیتے ہیں کہ نہیں، ایسی بات نہیں۔ یاد رکھیں! ورفعنالك ذكرك کی تفسیر میں بیان کردہ حدیث مبارک؛ اذا ذکرت ذکرت معی کو قرونِ اولیٰ کے ائمہ تفسیر اور ائمہ حدیث نے اپنی کتب میں روایت کیا ہےاوراس کے معانی پر اعتماد کیا ہے۔اس حدیث کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت مجاہدؒ (تابعی)، حضرت قتادہؒ (تابعی)، حضرت ضحاکؒ، حضرت امام جعفر صادقؒ، حضرت ابو الہیثمؒ،ابن ابی حاتمؒ، امام عبدالرازقؒ (المصنف)، امام سعید بن منصورؒ، امام ابن المنذرؒ، امام بیہقیؒ (دلائل)، امام احمد ابن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام طبریؒ (جامع البیان)، حافظ ابن کثیرؒ (تفسیر القران)، علامہ ہیثمیؒ (مخارج البیان، مجمع الزوائد)، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (فتح الباری) اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب میں اسے بیان کر کے اس پر دلائل دیئے ہیں اور بنیادی احکام وضع کئے ہیں۔ الغرض متقدمین سے متاخرین تک ائمہ کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے بلا تفریق مسلک وعقیدہ صحیح، حسن اور جید اسناد کے ساتھ اس امر کو بیان کیا ہے،اس سے احکام وضع کیے ہیں اور اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور ﷺ کا ذکر اللہ کے ذکر کے ساتھ ملانا واجب ہے اور اللہ رب العزت اپنے نام کا ذکر رسول اکرم ﷺ کے نام کے ساتھ جوڑے بغیر قبول ہی نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں مذکورہ احکام، عقائد اور معاملات جہاں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے اسماء اکٹھے موجود ہیں

میں نے اس حدیث مبارکہ؛ اذا ذکرت ذکرت معی پر قرآن مجید کے ایک طالب علم کے طور پر ایک منفرد کام کیا ہے۔ میں نے قرآن مجید کا عمیق نظری سے مطالعہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے

قرآن مجید سے احکامِ دین، عقائد اور اعمال کے ان پہلوؤں کو تلاش کر کے جمع کیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر اور حضور علیہ السلام کے ذکر کو جمع کر دیا ہے۔ یہ قرآن مجید کا اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور خصوصی مطالعہ ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیات اس امر کا اعلان ہیں کہ ان دونوں کو اب جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس حوالے سے غلط مؤقف رکھنے والے کیا اب ان آیات کو قرآن مجید سے نکال دیں گے؟

آیئے قرآن مجید کی ان آیات کریمہ اور موضوعات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے احکام، معاملات اور دیگر امور میں اپنے ساتھ اپنے حبیبِ مکرم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کو جوڑا ہے:

ا۔ ایمان: اس موضوع پر ہم کچھ آیات کا مطالعہ اپنی اس سلسلہ وار تحریر کے گزشتہ حصوں میں کر چکے ہیں۔ جہاں اللہ رب العزت نے اپنے ذکر اور حضور علیہ السلام کے ذکر کو ایمان کے باب میں اکٹھا کیا ہے۔

۲۔ اطاعت: اس موضوع پر بھی ہم اپنی اس سلسلہ وار تحریر کے گزشتہ حصوں میں 38 آیات کا مطالعہ کر چکے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ایک جگہ پر بھی تنہا اپنی اطاعت کا ذکر نہیں کیا بلکہ جہاں بھی اطاعت کی بات کی، وہاں حضور علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ بیان کیا ہے یا تنہا صرف حضور علیہ السلام کی اطاعت کی بات کی ہے۔ 20 آیات کریمہ ایسی ہیں جہاں اللہ نے اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو جوڑ دیا ہے اور 18 آیات ایسی ہیں جہاں فقط اطاعتِ رسول کا ذکر کیا ہے اور وہاں اللہ نے اپنی اطاعت کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے کہ اگر اطاعتِ رسول ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت از خود اُس میں شامل ہے۔

۳۔ معصیت: کوئی آدمی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی قرار دیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر وعید کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا۔

”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے تجاوز کرے، اسے وہ دوزخ میں داخل کرے گا۔“ (النساء، ۴: ۱۴)

۴۔ کذب: تکذیب (جھٹلانا) کا ذکر آیا تو اللہ اور اس کے رسول کا اکٹھا بیان آیا ہے کہ دونوں کو جھٹلانے کی سزا اور عقوبت ایک ہوگی۔ ارشاد فرمایا:

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (التوبۃ، ۹: ۹۰)

”وہ لوگ جنہوں نے (اپنے دعویٰ ایمان میں) اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) سے جھوٹ بولا تھا (جہاد چھوڑ کر پیچھے) بیٹھے رہے۔“

۵۔ تحریم اور تحلیل: تحریم (کسی شے کو حرام قرار دینا) اور تحلیل (کسی شے کو حلال قرار دینا) کی بات آئی تو اللہ اور رسول کا ذکر اکٹھا آیا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی التباس رہتا ہے کہ حرام کرنے کا اختیار (معاذاللہ) رسول کو نہیں ہے جبکہ قرآن ارشاد فرمارہا ہے:

وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (التوبۃ، ۹: ۲۹)

”اور نہ ان چیزوں کو حرام جانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔“

سوال یہ ہے کہ جو اشیاء اللہ نے حرام قرار دیں وہ تو قرآن مجید سے معلوم ہوں گی مگر جو اشیاء رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیں، وہ کہاں سے معلوم ہوں گی؟ اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حرام کردہ چیزیں بھی وہی چیزیں ہیں جن کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے تو یاد رکھ لیں کہ وہ تو اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ وہ تو اللہ کے ارشاد: مَا حَرَّمَ اللهُ کے تحت آ گئیں مگر وَرَسُوْلُهٗ کے تحت جو چیزیں رسول ﷺ نے حرام کیں، ان حرام کردہ اشیاء کے حکم کا مصدر کیا ہے؟ اس کا بالکل واضح جواب یہ ہے کہ صاف ظاہر ہے اُس کا مصدر حدیثِ رسول ﷺ ہے، ہمیں سنتِ رسول ﷺ کے ذریعے ان کی حرمت کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے گدھا حرام قرار دیا۔ اسی طرح کی بے شمار چیزیں ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا۔ (اس کے لیے گزشتہ مضامین کا مطالعہ کریں)

٦۔ برأت: یعنی بری ہونا، ذمہ داری کا اُٹھ جانا، اس کا ذکر آیا تو اللہ اور رسول کا ذکر اکٹھا کرتے ہوئے فرمایا:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (التوبۃ، ۹: ۱)

”اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے بیزاری (و دست برداری) کا اعلان ہے۔“

لا تعلقی اور برأت کا اعلان ان کفار و مشرکین سے کیا جاتا ہے جن سے اللہ اور رسول کی طرف سے پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔ اللہ کسی کے ساتھ تعلق جوڑے تب بھی کہتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے یہ تعلق قائم کر دیا، کسی کو اپنی ذمہ داری میں لے لے، تب بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی امان اور ذمہ میں آ گئے اور اگر اُن

کی وعدہ خلافی کی وجہ سے وہ ذمہ داری اٹھا لے اور ان سے لاتعلقی ور برأت کا اعلان کر دے، تب بھی قرآن اعلان کرتا ہے کہ ”اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف سے بیزاری و دست برداری کا اعلان ہے۔“ یعنی اللہ کسی ایک جگہ بھی اپنے محبوب کے بغیر نہ اپنا ذکر تنہا کرتا ہے اور نہ کبھی محبوب کے ذکر کو اپنے ذکر کے بغیر تنہا رہنے دیتا ہے۔ یہ قرآنی اسلوب ہمیں اس امر کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ہم کون سا قرآن اور کون سا دینِ اسلام لیے پھرتے ہیں۔

۷۔ محاربت: یعنی (جنگ) کا بیان آیا ہے تو اللہ اور رسول کا ذکر اکٹھا کیا ہے۔ فرمایا:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ۔ (المائدۃ،۵: ۳۳)

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے۔“

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی اللہ کے ساتھ مسلح ہو کر جنگ کرتا ہے؟ نہیں بلکہ جنگیں تو اللہ کے احکام کے نفاذ کی جدوجہد کرنے پر کفار آقا علیہ السلام سے کرتے رہے مگر اللہ رب العزت نے بہر صورت ہر جنگ کو جو دینِ اسلام کے خلاف ہوگی، اس کو اللہ اور رسول کے خلاف جنگ قرار دے دیا۔

۸۔ رمی: یعنی پھینکنے کا بیان آیا تو اللہ اور رسول کا ذکر اکٹھا کیا۔ ارشاد فرمایا: وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔

”اور (اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے۔“ (الانفال،۸: ۱۷)

اللہ تعالیٰ یہاں آقا علیہ السلام کے فعل کو اللہ اپنا فعل قرار دے کے اکٹھا بیان کر رہا ہے۔

۹۔ استجابت: حکم کی تعمیل میں کسی کے حکم کو حجت مانتے ہوئے لبیک کہہ کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا استجابت ہے۔ اس کے لیے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ۔ (الانفال،۸: ۲۴)

”اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لیے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ، دونوں) کی طرف فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔“

اس آیت میں بھی اللہ اور رسول کی طرف لبیک کہنے کے عمل کو ایک عمل قرار دیا ہے۔

۱۰۔ حد: حد کا ذکر کیا تو اللہ اور رسول دونوں کو اکٹھا بیان کیا۔ ارشاد فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (النساء، ۴: ۱۳)

”یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے۔“

یعنی بات اللہ کی حدود کے توڑنے کی ہو رہی ہے مگر اسے رسول کی نافرمانی بھی قرار دیا جا رہا ہے۔

۱۱۔ محبت: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ۔ (التوبة، ۹: ۲۴)

”(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔“

۱۲۔ دعوت: اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (النور، ۲۴: ۴۸)

”اور جب ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف بلایا جاتا ہے۔“ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ۔

’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کی طرف اور رسول (ﷺ) کی طرف آجاؤ۔“ (النساء، ۴: ۶۱)

۱۳۔ قضا: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۳۶)

”اور نہ کسی مومن مرد کو (یہ) حق حاصل ہے اور نہ کسی مومن عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی کام کا فیصلہ (یا حکم) فرما دیں۔“

۱۴۔ ہجرت: مُهَاجِرًا اِلَى اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (النساء، ۴: ۱۰۰)

”اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔“

۱۵۔ ولایہ: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (المائدة، ۵: ۵۵)

”بے شک تمہارا (حقیقی مددگار اور) دوست تو اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی ہے۔“

۱۶۔اذان: وَاَذَانٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖٓ۔ (التوبۃ،۹: ۳)

”(یہ بلاوا) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی جانب سے۔“

۱۷۔غنائم: یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلهِ وَالرَّسُوْلِ۔

”(اے نبیٔ مکرّم!) آپ سے اَموالِ غنیمت کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ فرما دیجیے: اً موالِ غنیمت کے مالک اللہ اور رسول(ﷺ) ہیں۔“(الانفال،۸: ۱)

۱۸۔مشاقۃ: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (الانفال،۸: ۱۳)

”یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول(ﷺ)کی مخالفت کرے تو بے شک اللہ (اسے) سخت عذاب دینے والا ہے۔“

۱۹۔محادّۃ: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔(المجادلۃ، ۵۸: ۵)

”بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول(ﷺ) سے عداوت رکھتے ہیں۔“ایک اور مقام پر فرمایا:

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ۔(التوبۃ، ۹: ۶۳)

”کیا وہ نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے۔“

۲۰۔رضا: وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ۔(التوبۃ، ۹: ۶۲)

”حالاں کہ اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) زیادہ حقدار ہے کہ وہ اسے راضی کریں۔“

۲۱۔غنا: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ۔

”اور کسی چیز کو ناپسند نہ کر سکے سوائے اس کے کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے اپنے فضل سے غنی کر دیا تھا۔“(التوبۃ، ۹: ۷۴)

۲۲۔فضل: وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِيْنَا اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ۔(التوبۃ، ۹: ۵۹)

”اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ عنقریب ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (ﷺ مزید) عطا فرمائے گا۔“

۲۳۔انعام: اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔(الاحزاب،۳۳: ۳۷)

”جس پر اللہ نے انعام فرمایا تھا اور اس پر آپ نے (بھی) اِنعام فرمایا تھا۔“

۲۴۔ادب: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔(الحجرات،۴۹: ۱)

”اے ایمان والو! (کسی بھی معاملے میں) اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھا کرو۔“

۲۵۔اذیت: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۵۷)

” بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجتا ہے اور اُس نے ان کے لیے ذِلّت انگیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

۲۶۔عزت: وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ (المنافقون، ۶۳: ۸)

”حالاں کہ عزّت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول (ﷺ) کے لیے۔“

۲۷۔رجوع: کسی مسئلہ پر باہمی اختلاف پر رجوع کی بات آئی تو اللہ اور رسول کا اکٹھا ذکر کیا۔ارشاد فرمایا:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (النساء، ۴: ۵۹)

”پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو۔“

۲۸۔رازدار: جب محرمِ راز بنانے کی بات آئی تو اللہ اور اس کے رسول کا ذکر اکٹھا بیان کیا۔ارشاد فرمایا:

وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً۔ (التوبۃ، ۹: ۱۶)

”اور (جنہوں نے) اللہ کے سوا اور اس کے رسول (ﷺ) کے سوا اور اہلِ ایمان کے سوا (کسی کو) محرمِ راز نہیں بنایا۔“

۲۹۔عطا: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ (التوبۃ، ۹: ۵۹)

”اور کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے عطا فرمایا تھا۔“

۳۰۔بیعت: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ۔ (الفتح، ۴۸: ۱۰)

”(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔“

☆ مذکورہ موضوعات کے علاوہ درج ذیل موضوعات پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا اور اپنے حبیبِ مکرم ﷺ کا ذکر اکٹھا بیان فرمایا کہ اس حوالے سے بھی میرے حبیب ﷺ کا فرمان، عمل یا نافرمانی پر سزا دینے کا فعل یا حضور علیہ السلام کی نافرمانی، یہ آپ ﷺ ہی کا فرمان یا فعل یا نافرمانی نہیں ہوگی بلکہ میرا بھی اس معاملہ میں یہی حکم ہے:

۱۔ تصدیق	۲۔ انکار	۳۔ انحراف
۴۔ حکم	۵۔ رجوع	۶۔ انقیاد
۷۔ بیع	۸۔ عہد	۹۔ جہاد
۱۰۔ نطق (بولنا)	۱۱۔ بلانا	۱۲۔ اذن (اجازت)
۱۳۔ امانت	۱۴۔ خیانت	۱۵۔ اہانت
۱۶۔ استہزاء	۱۷۔ رفاقت	۱۸۔ اجازت
۱۹۔ نصیحت	۲۰۔ معذرت	۲۱۔ علم
۲۲۔ رؤیت	۲۳۔ صلوٰۃ	۲۴۔ قربت
۲۵۔ معیت	۲۶۔ ہدایہ	۲۷۔ تسلیم
۲۸۔ ارادہ	۲۹۔ اختیار	۳۰۔ ارتعاب
۳۱۔ رحمت	۳۲۔ لعن	۳۳۔ تقدیم
۳۴۔ تعذیر	۳۵۔ توقیر واحترام	۳۶۔ نصرت
۳۷۔ ابلاغ	۳۸۔ الرسالۃ	۳۹۔ امر و نہی
۴۰۔ احکام	۴۱۔ وعدہ و وعید	۴۲۔ اخبار و بیان

متعلقہ بحث کے تناظر میں قرآن مجید کے الحمد سے والناس تک یہ میرے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ ان موضوعات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو اب دینِ اسلام کی تعلیمات میں کوئی بھی شعبہ، شق اور آرٹیکل باقی نہیں رہ جاتا جس میں اللہ نے رسول اکرم ﷺ کو اپنے ساتھ نہیں جوڑا۔ احکامِ دین و دنیا، عقائد، اعمال، اعتقادات، معاشرت، سیاست، جنگ، امن، کلچر، روحانیت، مالیات، حدود کے معاملات الغرض دین، شریعت، احکام اور نظام کے جملہ معاملات جو ہماری انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی تک آتے ہیں۔

مذکورہ عنوانات میں تمام احکام سمو جاتے ہیں۔ ان سارے احکام کے ذکر میں اللہ نے اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے ذکر کو جوڑ دیا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان تمام میں حضور علیہ السلام کے ذکر اور اپنے ذکر کا اکٹھا ہونا ناگزیر قرار دیا ہے اور اسے مومن و مسلم ہونے کی شرط قرار دیا ہے۔ لہٰذا اب یہ کہنا کہ قرآن مجید کو حجت مانتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی حجیت واتھارٹی کو نہیں مانتے تو یہ طرزِ عمل وفکر مکمل قرآن مجید کی نفی کر دینے اور اسے رد کر دینے کے مترادف ہے اور ایسا عقیدہ رکھ کر انسان مسلمان نہیں رہ سکتا اور اس کا کوئی تعلق قرآن مجید کے ساتھ باقی نہیں بچتا۔

(جاری ہے)

آپ کے فقہی مسائل

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیرِ نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: وہ شخص جس نے کسی عورت سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے مگر بعد ازاں ایک جعلی نکاح نامہ بنوالیا اور خاندان والوں نے بھی انھیں میاں بیوی کے طور پر تسلیم کیا۔ بعد ازاں دونوں میں ناچاقی کے سبب علیحدگی ہوگئی اور اس شخص نے باقاعدہ تحریری طور پر تین طلاقیں دے دیں۔ کیا یہ ٹیمپرڈ نکاح شرعاً درست ہے؟ کیا یہ طلاق بھی مؤثر ہوگی؟

جواب: نکاح سے پہلے طلاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر فقہاء کا کلام نہایت واضح اور متفقہ ہے، اور وہ یہ کہ نکاح سے پہلے طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے طلاق کو ایک شرعی حق اور قانونی اثر رکھنے والا حکم اس وقت قرار دیا ہے جب زوجیت کا رشتہ بالفعل قائم ہو۔ قرآن و سنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں یہ مسلّم ہے کہ طلاق کا محل نکاح ہے، اور جب محل ہی معدوم ہو تو اس پر حکم کا جاری ہونا باطل اور لغو قرار پاتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی 'نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے' ایک قطعی نص ہے جو اس امر کی صراحت کرتی ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق نہ معتبر ہے اور نہ ہی مؤثر ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ. ''نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔''

(ابن ماجه، السنن، کتاب الطلاق، باب لا طلاق قبل النكاح، ج ١، ص ٦٦٠، الرقم: ٢٠٤٩)

یعنی جب تک نکاح واقع نہ ہو، کسی عورت کو طلاق دینا شرعاً مؤثر اور معتبر نہیں کیونکہ وہ طلاق کا محل ہی نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عِتْقَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا يَمِينَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ.

''ابن آدم (انسان) جس چیز کا مالک نہیں، اس میں اس کے لیے نہ نذر ہے، نہ آزاد کرنا ہے، نہ ہی طلاق ہے اور نہ ہی اس کے لیے قسم ہے۔'' (أحمد بن حنبل، المسند، ج ٢، ص ١٩٠، الرقم: ٦٧٨٠)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت کو طلاق دینا شرعاً معتبر نہیں جس سے ابھی نکاح نہ ہوا ہو۔ یہ طلاق غیر مؤثر ہے کیونکہ نکاح طلاق کا محل ہے، اور جب نکاح ہی نہ ہو تو طلاق کا کوئی شرعی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ دیگر احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان کو ایسی چیزوں کے بارے میں کوئی تصرف کا اختیار نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۔ چونکہ نکاح سے پہلے عورت کا شرعی تعلق مرد سے قائم نہیں ہوتا، اس لیے ایسی صورت میں دی گئی طلاق باطل اور غیر نافذ ہوتی ہے۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اپنایا ہے:

'' اگر کوئی شخص کسی غیر منکوحہ (اجنبیہ) عورت سے کہے: 'تو طلاق والی ہے' یا 'میں نے تجھے طلاق دی' تو یہ قول شرعاً معتبر نہیں، کیونکہ طلاق کا تعلق اس عقدِ نکاح سے ہے جس کے ذریعے حلتِ مباشرت حاصل ہوتی ہے اور قیدِ نکاح یا عدت عائد ہوتی ہے۔ جبکہ اجنبیہ عورت کے ساتھ نہ تو نکاح کا تعلق ہے، نہ ہی کوئی شرعی قید موجود ہے، لہٰذا جب کوئی ربطِ نکاح موجود ہی نہ ہو تو اس کے فسخ (خاتمہ) کا دعویٰ لغو اور غیر معتبر ہوگا۔''

(الكاساني، بدائع الصنائع، ج ٣، ص ١٢٦)

جب ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح ہی نہیں کیا تو صرف جعلی نکاح نامہ بنوا لینے سے نکاح قائم نہیں ہوا اور شرعاً اس عمل کو نکاح نہیں مانا جائے گا کیونکہ نکاح کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کیا جاتا ہے یا وکیل کو نکاح کی اجازت دی جاتی ہے ورنہ نکاح قائم نہیں ہوتا۔ لہٰذا شرعاً یہ نکاح درست نہیں مانا جائے گا۔ جب سرے سے نکاح ہی قائم نہیں ہوا تو طلاق دینے سے اس عورت کو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی جیسا کہ اوپر یہ پہلو بڑی صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔

پہلے چونکہ نکاح کیا ہی نہیں گیا، لہذا انھوں نے جو تعلق قائم کیا، وہ گناہ کیا۔ لہٰذا اب وہ نکاح کرنا چاہتے ہیں تو دستور کے مطابق نکاح کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اکٹھے رہنے

میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کے برعکس اگر پہلے کی طرح نکاح کئے بغیر رہ رہے ہیں تو ان کا یہ فعل قبیح زنا ہی شمار ہوگا جو کہ گناہِ کبیرہ اور قابلِ سزا جرم ہے۔

سوال: اگر شوہر کے علم میں لائے بغیر خلع کا دعویٰ دائر کیا جائے اور شوہر بعد ازاں عدالتی نوٹس کے ذریعے باخبر ہوا تو کیا عدالتی فیصلہ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے؟ خلع کے بعد کیا حق مہر اور زیورات سب کچھ شوہر کو واپس کرنا ہوں گے؟

جواب: اگر کسی نے گھریلو معاملات میں انتہائی کشیدگی اور جھگڑوں کی وجہ سے اپنے شوہر کو بتائے بغیر عدالت میں اس سے علیحدگی کا دعویٰ دائر کیا مگر بعد ازاں عدالتی نوٹس سے وہ باخبر ہو گیا تھا تو اس صورت میں عدالتی فیصلہ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اب اگر خلع کے بعد احساس ہوا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا تو اب دوسرا نکاح کیا جا سکتا ہے۔

خلع کے بعد حق مہر اور زیورات سابق شوہر کو واپس کرنا درست فیصلہ نہیں اور نہ ہی وہ ان کا حقدار تھا کیونکہ جب سابق شوہر کی خرابی کی وجہ سے تنسیخِ نکاح کی ڈگری حاصل کی ہے تو اس صورت میں وہ حق مہر اور زیورات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی واپس کرنے چاہئیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت درج ذیل ہے:

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی بیویوں پر اس طرح کا ظلم کرتے تھے۔ نہ بیوی بنا کر عزت سے ان کو بساتے، نہ طلاق دے کر ان کو قید نکاح سے آزاد کرتے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ اپنے ساتھ بساتے کیوں نہیں تو جواب دیتے کہ ہم نے طلاق دے دی ہے۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ دوسری جگہ پسند کی شادی کیوں نہیں کرنے دیتے تو جواب ہوتا، ہم نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا۔ لہٰذا نکاح بحال رہا۔ عمر بھر یہی ظلم روا رکھتے۔ آج بعض مسلمان کہلانے والے ببانگ دہل کہتے ہیں، نہ رکھیں گے نہ چھوڑیں گے یہ عورت پر بدترین ظلم ہے۔

قرآن کریم نے اس ظلم کا خاتمہ کیا اور طلاق کی حد مقرر کر دی۔ اگر کوئی ایک یا دو بار واضح الفاظ میں طلاق دے دے تو عدت کے اندر نیک نیتی سے یا تو رجوع کر لے اور آئندہ بیوی کو تنگ نہ کرے، بیوی بنا کر پاس رکھے یا مدت گزرنے دے تا کہ نکاح ختم ہو جائے اور عورت اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کرے۔

عورتوں کو تکلیف دینے کے لیے روکنا کہ ان پر زیادتی کریں تو ایسا کرنا اپنی جانوں پر ظلم اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اڑانا قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا.

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آ پہنچیں تو انہیں اچھے طریقے سے (اپنی زوجیّت میں) روک لو یا انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو، اور انہیں محض تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو کہ (ان پر) زیادتی کرتے رہو اور جو کوئی ایسا کرے پس اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بنالو۔“ (البقرۃ، ۲: ۲۳۱)

اس لیے جب عورت کو اس کے حقوق سے محروم کیا جائے، شوہر اس پر ظلم کرے اور اُسے نہ بیوی بنا کر رکھے نہ طلاق دے پھر کوئی طریقہ تو ہو جو اس کو ظلم کی چکی میں پسنے سے بچائے اور وہ طریقہ حکومت اور اس کی قائم کردہ عدلیہ ہے۔ چنانچہ مظلومہ عورت عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ عدالت کا فرض ہے کہ پوری تحقیق کے بعد اگر یہ ظلم ثابت ہو جائے یعنی خاوند عدل و انصاف کا راستہ نہ اپنائے اور نہ عورت کو طلاق دے تو ایسی صورت میں قاضی یا فیملی کورٹ کا جج فوراً طلاق دلوائے یا تنسیخ نکاح کردے تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو۔ یہ اسلام ہے اور یہی عدل و انصاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسا ظلم ختم کیا، جب آپ ﷺ کی بارگاہ میں کسی عورت نے اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ہمیشہ بلاتاخیر مسئلہ کا حل کرایا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلا خلع کا واقعہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا ہے جس کے بارے میں متعدد روایات ہیں لیکن اختصار کی خاطر صرف ایک روایت درج ذیل ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی کہ

يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلاَ خُلُقٍ، إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الْكُفْرَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، فَرَدَّتْ عَلَيْهِ، وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا.

” یارسول اللہ! میں ثابت کے دین یا اخلاق کی بنا پر اُن کے پاس رہنے سے انکار نہیں کرتی بلکہ مجھے کفر کا ڈر ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اُن کا باغ واپس کر دو گی؟ اُس نے جواب دیا: ہاں، لہٰذا اُس نے وہ باغ واپس کر دیا اور آپ ﷺ نے اُسے جدا کرنے کا حکم دیا۔“ (البخاري، الصحيح، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ، ۵: ۲۰۲۲، الرقم: ۴۹۷۳)

مذکورہ بالا حدیث مبارک اور دیگر روایات میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے اُن کے دین اور اچھے اخلاق کی تعریف کی ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ مجھے کفر کا ڈر ہے یعنی میرا دل ان کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں جس کی وجہ سے نفرت پرورش پا رہی ہے اور نتیجہ میں کوئی غلط قدم اٹھنے کا ڈر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ انہیں قد کاٹھ اور شکل و صورت سے پسند نہیں کرتیں تھیں، اس لیے ان کا

کہنا کہ مجھے کفر کا ڈر ہے۔ مراد یہ بھی ہے کہ میں کفرانِ نعمت نہیں کرنا چاہتی کہ ثابت بن قیس میرے ساتھ اچھا سلوک کریں اور میں اُن کو دل سے پسند نہ کروں۔ مختصر یہ کہ جب عورت کسی بھی وجہ سے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو اس کو علیحدہ کر دینا چاہیے۔

حضرت خنساء بنتِ خِذام انصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَرَدَّ نِكَاحَهَا.

”ان کے والد ماجد نے ان کی شادی کر دی جبکہ وہ بیوہ تھیں، مگر اُنہیں یہ شادی ناپسند تھی۔ سو وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کا نکاح منسوخ فرما دیا۔“ (البخاري، الصحیح، کتاب الإکراہ، باب لا یجوز نکاح المکرہ، ۶: ۲۵۴۷، الرقم: ۶۵۴۶)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ جب بطور میاں بیوی رہنا ممکن نہ ہو تو مجاز اتھارٹی نکاح منسوخ کر سکتی ہے۔ امام محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الہمام فرماتے ہیں:

فَإِذَا امْتَنَعَ كَانَ ظَالِمًا فَنَابَ الْقَاضِي عَنْهُ فِيهِ فَيُضَافُ فِعْلُهُ إِلَيْهِ.

”جب خاوند طلاق نہ دے تو ظالم ہے، لہٰذا قاضی اس مسئلہ میں خود خاوند کا قائم مقام ہو کر تفریق کر دے اب قاضی کا فعل خاوند کی طرف منسوب ہوگا۔“

(ابن الھمام، شرح فتح القدیر، ۴: ۳۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ظلم کا خاتمہ کرنے کے لیے قاضی یکطرفہ فیصلہ دے سکتا ہے تاکہ عورت مزید ظلم کا شکار ہونے سے بچ جائے۔

اسلام کسی کو کسی پر ظلم کرنے اور اس کے حقوق پامال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ہے۔ اگر بیوی حقوقِ زوجیت سے خاوند کو محروم کرے تو خاوند کے پاس حقِ طلاق ہے اور دیگر حاکمانہ حقوق بھی ہیں، جنہیں بروئے کار لا کر وہ اپنے حقوق وصول کر سکتا ہے۔ بصورتِ دیگر حقِ طلاق استعمال کر کے اس سے جان چھڑا سکتا ہے۔ اگر خاوند، بیوی کے حقوق پامال کرے نان نفقہ نہ دے، حقوقِ زوجیت سے اسے محروم کرے، امساك بمعروف أو تسريح باحسان پر عمل نہ کرے اور ساری عمر بیوی بنا کر نہ رکھے، نہ آزاد کرے تو یہ بیوی پر ظلم ہوا۔ قرآن کریم نہ کسی کو ظالم بننے کی اجازت دیتا ہے۔ نہ مظلوم:

لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ”نہ تم ظالم بنو اور نہ تم پر ظلم ہو“۔

اس لیے عورت ہو یا مرد دونوں کے حقوق و فرائض ہیں۔ ایک فریق کے حقوق دوسرے فریق کے فرائض میں شامل ہیں، مرد کے حقوق عورت پورے کرے اور عورت کے حقوق مرد پورے کرے، پھر ہی زندگی پر سکون گزر سکتی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شان پر اعتقاد

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

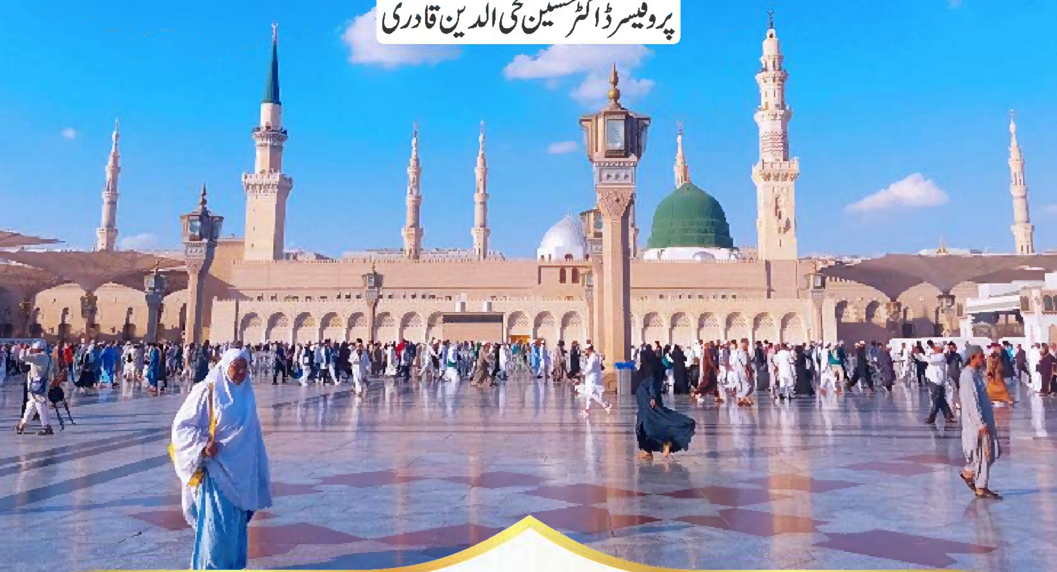

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو صرف ایک عالم کے لیے نہیں بلکہ تمام عالمین کی طرف اپنی رحمتِ خاص بنا کر مبعوث فرمایا۔ آقا علیہ السلام کے تمام اقوال، افعال اور احوالِ مبارکہ کو محمودیت سے سرفراز فرمایا اور نہ صرف تمام عوالم اور طبقات کے لیے سراج منیر بنا کر بھیجا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو انبیاء کرام اور رسول عظام علیہم السلام کی جماعت میں وہ مقام و مرتبہ عطا فرمایا کہ شانِ تکوینی اور تصرفات و اختیارات کے عروج پر پہنچا دیا۔ آپ ﷺ کے ادا کیے ہوئے ہر ہر لفظ اور کلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ شان عطا کی کہ ارشاد فرمایا:

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ (النجم، ۵۳: ۳، ۴)

”اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔“

یہ عظمت اور شان اللہ رب العزت نے کسی اور کے کلام کو عطا نہیں فرمائی جو تاجدار کائنات ﷺ کے ارشاد کردہ ہر لفظ اور جملہ کو عطا فرمادی کہ جو کچھ تاجدار کائنات ﷺ فرماتے ہیں، یہ اپنی مرضی سے نہیں فرماتے بلکہ آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلا ہوا ہر ایک لفظ اور جملہ وحیِ الٰہی ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے یہ امر واضح فرما دیا ہے کہ اگر اللہ رب العزت کی قدر و عظمت کو جاننا چاہتے ہو اور اس کی عظمت پر اعتقاد و ایمان رکھتے ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے قدر و منزلتِ رسالتِ محمدی ﷺ پر کامل اعتقاد اور ایمان قائم ہو۔ یعنی جتنا عظمتِ مصطفیٰ ﷺ

خطاب: رحمتِ عالم کانفرنس، 6 فروری 2025ء، مقام: کراچی

پر ایمان مضبوط ہوتا جائے گا، اتنا ہی اللہ رب العزت کے نزدیک یہ سمجھا جائے گا کہ یہ بندہ اللہ رب العزت کی قدر و منزلت سے خوب واقف ہے اور اگر آقا ﷺ کی قدر و منزلت پر ایمان کم اور کمزور ہوتا جائے گا تو یہ اللہ رب العزت کی حقانیت، حقیقت، عظمت اور اس کی قدر و منزلت کے اوپر درحقیقت انسان کے ایمان کی کمی کی علامت ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (الانعام، ٦: ٩١)

"اور انہوں نے (یعنی یہود نے) اللہ کی وہ قدر نہ جانی جیسی قدر جاننا چاہیے تھی، جب انہوں نے یہ کہہ (کر رسالتِ محمدی ﷺ کا انکار کر) دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز نہیں اتاری۔"

اللہ رب العزت نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مختلف ادوار میں مختلف اقوام کی طرف بھیجے اور تمام انبیاء اور رسل عظام علیہم السلام کو اپنی قدر منزلت اور عظمت پر دلیل بنا کر مبعوث فرمایا اور پھر ان سب کے درمیان سب سے بڑی دلیل محمد مصطفی ﷺ کو بنا کر بھیجا۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر جب قرآن مجید میں کیا گیا تو اللہ رب العزت نے یہ امر واضح فرمادیا کہ یوں تو یہ میرے ہی بھیجے ہوئے انبیاء ورسل علیہم السلام ہیں لیکن اپنی قدر و منزلت، عظمت، تصرفات واختیارات، معجزات اور قربِ الٰہی کے مدارج میں یہ ایک دوسرے سے الگ الگ اور جدا ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کے مابین پائے جانے والے اس فرق کو خود قرآن مجید میں یوں بیان کیا۔ ارشاد فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ (البقرہ، ٢: ٢٥٣)

"یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔"

ایک مقام پر آقا علیہ السلام کے لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ (الضحیٰ، ٩٣: ٥)

"اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔"

مقام و عظمتِ مصطفی ﷺ کے اظہار کے اور کئی مقامات بھی اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائے ہیں جن کے مطالعہ سے عظمت و شرفِ مصطفی ﷺ نکھر کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

آج بدقسمتی سے چند اذہان میں ایک ایسا مغالطہ پیدا کر دیا گیا ہے کہ کچھ طبقات یہ سوچنے لگے ہیں کہ تمام انبیاء ورسل علیہم السلام اللہ رب العزت کے ہی بھیجے ہوئے ہیں اور تمام ہی برگزیدہ، محترم اور عظیم ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور ان ہی انبیاء کرام میں سے تاجدار کائنات ﷺ بھی ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

چونکہ انھیں آخری نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے، اس لیے بقیہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی نسبت یہ ان سے بہتر ہیں لیکن وہ جماعتِ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی ہیں اور ان انبیاء کرام علیہم السلام جیسے ہی ہیں۔

اس مغالطہ کو دور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس بات کا اللہ کے کلام اور حدیث نبوی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس حوالے سے اس حقیقت کو سمجھ لینا لازم ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ کو انبیاء و رسل علیہم السلام کی جماعت میں اللہ رب العزت نے ضرور بھیجا ہے مگر آپ ﷺ ان جیسے نہیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ رب العزت نے تاجدار کائنات ﷺ کو آخری نبی بنایا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کے منصب پر سرفراز فرمایا ہے اور آپ ﷺ جماعتِ انبیاء پر کچھ فضیلت کے ساتھ تشریف لائے ہیں تو صرف ایسا نہیں ہے بلکہ تاجدار کائنات ﷺ کو اللہ رب العزت نے جو شانیں عطا فرمائی ہیں اور جن شانوں پر قرآن مجید میں کئی آیات بطورِ دلیل موجود ہیں، وہ شانیں ایسی ہیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی صف میں کسی ایک پیغمبر کو بھی ایسی شان اللہ تعالیٰ نے عطا نہیں فرمائی۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اس سے دیگر انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی شان میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ آقا علیہ السلام کی امامت کو تسلیم کرنے سے ان کی اپنی شان اور عظمت بلند ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ ان کے لیے بھی فخر ہے کہ اللہ رب العزت نے جن کو ان کا امام بنایا، وہ کیسی عظمت، شان اور تصرفات والے ہیں۔

اس بات کو اس مثال سے سمجھیں کہ اگر کسی تنظیم، تحریک اور جماعت کے قائد و لیڈر کو اس جماعت کے کارکن اور پیروکار اپنے سے بہتر تو سمجھیں لیکن انھیں اپنے اور قائد کے درمیان بہت زیادہ فرق نظر نہ آئے تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کارکن اور پیروکار اپنے قائد کے کس قدر مطیع و فرمانبردار ہوں گے اور ان کا اپنے قائد کے بارے میں یقین کا درجہ کیا ہو گا۔ اس کے برعکس اگر کارکن اور پیروکار اپنے قائد اور لیڈر کو علم، ذہانت، بصیرت و حکمت، معاملہ فہمی اور دور اندیشی میں بہت بلند دیکھیں اور اپنے اور اپنے قائد کے درمیان زمین و آسمان کا فرق محسوس کریں تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کا اپنے قائد پر اعتقاد اور اعتماد کتنا مضبوط اور اعلیٰ ہو گا۔

جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے انھیں وہ امام اور قائد عطا کیا ہے کہ جن کو وہ عظمت و شرف، عزت و کرامت اور مقام و مرتبہ میں خود سے بہت آگے دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کو حاصل یہ شان صرف یہاں پر ہی نہیں ہے بلکہ محشر کے میدان میں بھی اس کا اظہار یوں ہو گا کہ آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے گا۔ اس دن باقی سب مخلوق نیچے ہو گی، عرش پر صرف ایک خدا کی ذات ہو گی اور اللہ کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کے عظیم قائد و رہبر

تاجدار کائنات ﷺ جلوہ افروز ہوں گے۔ محشر کا میدان آپ ﷺ کی اسی عظمت کو دکھانے کے لیے ہوگا کہ کرسیٔ محمود پر سرور کائنات ﷺ جلوہ افروز ہوں گے اور باقی ہر کوئی لوائے حمد کے سائے میں کھڑا ہوگا۔

اللہ رب العزت نے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو عزت و عظمت سے نوازا ہے لیکن تاجدار کائنات ﷺ کی توقیر یوں بلند فرمائی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اور آقا ﷺ کے درمیان فرق کو جاننے کا کوئی پیمانہ ہی موجود نہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت بے حد و بے حساب بلند وارفع ہے۔ اس لیے اس مغالطہ کو اذہان کی تختی سے یکسر مٹا دیں کہ تاجدار کائنات ﷺ جماعتِ انبیاء ورسل علیہم السلام میں صرف ایک رسول بن کر تشریف لائے۔ وہ رسول بن کر تشریف لائے ہیں لیکن آپ ﷺ اور بقیہ انبیاء کرام ورسل عظام علیہم السلام کے درمیان فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ ہماری سوچ ان کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔

جملہ انبیاء کرام علیہم السلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کے درمیان مقام و مرتبہ کے فرق کو سمجھنے کے لیے تاجدار کائنات ﷺ کی عظمت کو آپ ﷺ کے اختیارات و تصرفات کے آئینہ میں دیکھنا ہوگا کہ آپ ﷺ کی وہ کون سی عظمتیں ہیں جو آپ ﷺ کو باقی انبیاء کرام علیہم السلام سے جدا کرتی ہیں اور وہ کون سی رفعتیں اور منزلیں ہیں جو آقا علیہ الصلوۃ والسلام کو باقی انبیاء کرام علیہم السلام سے ممتاز کرتی ہیں؟ یوں تو ہر نبی اور رسول کو اللہ رب العزت نے معجزات اور تصرفات عطا فرمائے ہیں، کوئی ایسا نبی اور رسول تشریف نہیں لایا کہ جسے اللہ نے معجزات اور اختیارات و تصرفات نہ عطا فرمائے ہوں لیکن ہر کسی کے اختیارات کا دائرہ کار جدا جدا تھا۔

آیئے! اللہ رب العزت کی اس تقسیم کو براہ راست حدیث مبارک سے سمجھتے ہیں۔ حضرت سیدنا ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من الانبیاء نبی إلا اعطی ما مثلہ آمن علیہ البشر، وإنما کان الذی اوتیت وحیا اوحاہ اللہ إلی فارجو ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامۃ۔ (صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزول الوحی وأول ما نزل، رقم الحدیث: ۴۹۸۱)

”ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کئے گئے کہ (انہیں دیکھ کر لوگ) ان پر ایمان لائے (مگر بعد کے زمانے میں ان کا کوئی اثر نہ رہا) اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی (قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے۔ (اس کا اثر قیامت تک باقی رہے گا) اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان لوگ دوسرے پیغمبروں کے تابع فرمانوں سے زیادہ ہوں گے۔“

آقا ﷺ نے اس حدیث مبارک میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دائرہ کار کا تعین خود فرمادیا کہ ہر نبی کو اتنے ہی تصرفات اور معجزات دیے گئے جتنے لوگ ان پر ایمان لائے اور جو چیز مجھے بطورِ معجزہ دی گئی، وہ قرآن ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور قیامت کے روز میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔ ان الفاظ میں آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے خود واضح فرمادیا کہ جس نبی کا جتنا دائرہ تھا، جتنی قوم ان کو ماننے والی تھی، جہاں تک ان کی دعوت پہنچی اور جتنا ان کا زمانہ نبوت تھا، ان کے تصرفات، اختیارات اور معجزات اتنے ہی تھے۔

گویا ہر نبی اور رسول کا اپنا ایک زمانہ اور دور تھا، ہر ایک کا ایک محدود علاقہ تھا اور ہر ایک اپنے مقررہ و معینہ دور کے لیے تشریف لائے۔ کسی پر ہزار آدمی ایمان لائے، کسی پر پانچ سو ایمان لائے، کسی پر بیس لوگ ایمان لائے اور کسی پر پچاس لوگ ایمان لائے اور پھر اس حساب سے ہی انھیں معجزات بھی عطا کیے گئے۔

اب حکمتِ الٰہیہ پر غور و فکر کریں کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کو سب سے آخر میں ہی کیوں مبعوث فرمایا؟ آپ ﷺ سے قبل آبادیاں بھی کم تھیں، زمانہ بھی محدود تھے، وہ تہذیبیں اور اقوام آتی تھیں اور ختم ہو جاتی تھیں، مگر تاجدار کائنات ﷺ کا سورج کچھ اس انداز سے طلوع ہوا کہ اس نے اب غروب نہیں ہونا۔ اس نے قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی روشنی کو پھیلاتے رہنا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ

یہ زمانہ کتنا ہے۔ نہ جانے کتنے لاکھوں اور کروڑوں سال بعد قیامت بپا ہو گی، اس وقت تک اور اس کے بعد بھی آنے والا ہر زمانہ میرے حضور کا ہے۔

مذکورہ حدیث مبارک کی روشنی میں آقا علیہ السلام کے تصرفات اور اختیارات کے معیارات کی بھی سمجھ آجاتی ہے۔ جس طرح تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ بے حد و حساب ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصرفات، معجزات اور کمالات بھی بے حد و بے حساب ہیں۔ اب ہر نبی کے زمانہ کو بھی سامنے رکھ لیں اور تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کو بھی سامنے رکھ لیں تو کیا ہم کبھی اس فاصلہ کا ادراک کر سکتے ہیں جو فاصلہ عظمتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کے درمیان حائل ہے۔ نہیں، ایسا ممکن نہیں۔ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ چودہ سو سال پہلے کا طلوع نہیں ہوا بلکہ آقا علیہ السلام کا زمانہ تو وہ بھی تھا کہ جب آدم علیہ السلام کا جسدِ خاکی ابھی تخلیق کے مراحل میں تھا۔۔۔ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ تو وہ بھی تھا کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام نے عرش الٰہی کی طرف دیکھا تھا تو عرش کے ستونوں پر اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا پایا تھا۔۔۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانہ میرے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ وہ زمانہ بھی میرے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا اور یہ زمانہ بھی میرے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔۔۔ آئندہ آنے والا ہر زمانہ بھی مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو گا۔۔۔ محشر بھی مصطفی کا ہے اور وہاں پر دکھایا جانے والا مقامِ محمود بھی مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔۔۔ جنت بھی مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور جنت کے مقامات و مدارج بھی مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔

جو معجزات انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کو عطا ہوئے، وہ سب تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں بھی تھے بلکہ ان سے بہت بڑھ کر تھے۔ آیئے! دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور آقا علیہ السلام کے معجزات کا اس تناظر میں مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ سیدنا نوح علیہ السلام کو سفینہ کا معجزہ عطا کیا یعنی انہوں نے ایک کشتی تیار کی اور اس کے اندر اپنی قوم کے مومنین کو بچا لیا۔ آقا علیہ السلام کو بھی اس سفینہ نوح کی شان عطا ہوئی۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

أَلَا إِنَّ مِثْلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هلك۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب المناقب، رقم الحدیث: ۶۱۸۳)

’’سن لو! تم میں میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے، جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔‘‘

۲۔ سیدنا ہود علیہ السلام کو ریح صرصر (ہوا کا معجزہ) کے معجزہ سے نوازا۔ ہوا کا تو کام ہی چلنا ہے تو اس نے کیا نیا کام کیا۔ حضرت ہود علیہ السلام کے اس معجزہ پر ایمان ہے لیکن ہوا کا کام چلنا ہے، اس تناظر میں اس کے

ذریعے دکھایا جانے والا کوئی معجزہ افضل ہوگا یا کوئی ایسا معجزہ افضل واعلیٰ ہوگا جس میں پتھر ہوا کی طرح اڑنے لگیں۔ تاجدارِ کائنات ﷺ سنگریزوں کو مٹھی میں لے کر پھینکتے تو ہوا سے زیادہ تیز رفتاری سے جاکر کفار کی آنکھوں میں لگتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آقا علیہ السلام کو ہر وہ معجزہ جو دیگر انبیاء کی انفرادیت اور امتیاز تھا، آپ ﷺ کو وہ حد سے بڑھ کر عطا کیا گیا۔

۳۔ سیدنا صالح علیہ السلام کو اونٹنی کا معجزہ دیا گیا مگر تاجدار کائنات ﷺ کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ اس اونٹنی جیسے کتنے ہی جانور آپ ﷺ کے قدموں میں جھک کر سجدہ کرتے اور آپ ﷺ سے ہم کلام ہوتے۔

۴۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کو قمیص کا معجزہ دیا کہ جس سے آپ علیہ السلام کے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی۔ دوسری طرف تاجدارِ کائنات ﷺ کے نہ جانے ایسے کتنے واقعات ہیں کہ لوگ صبح وشام نہ صرف آپ کے دستِ مبارک سے بلکہ آپ علیہ السلام کی استعمال اور مس کردہ ہر چیز سے شفایاب ہوگئے۔

۵۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عصاء دیا گیا جبکہ دوسری طرف تاجدار کائنات ﷺ اگر کسی کو لکڑی کی ٹہنی عطا کردیں تو وہ ہی اُن کے لیے چمکنے لگے اور رات کے اندھیرے میں ٹارچ کا کام دے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز عشاء کے لئے باہر تشریف لائے تو خوب زوردار بارش ہورہی تھی۔ اسی دوران آپ ﷺ کی نظر حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ پر پڑی، آپ ﷺ نے پوچھا: قتادہ! رات کے اس وقت میں (اس بارش میں) آنے کی کیا ضرورت تھی؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے معلوم تھا کہ آج نماز کے لئے بہت تھوڑے لوگ آئیں گے تو میں نے سوچا کہ میں نماز میں شریک ہوجاؤں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

جب تم نماز پڑھ چکو تو رک جانا، نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو ایک چھڑی دی اور فرمایا:

خذ هذا، فسيضيء امامك عشرا، وخلفك عشرا، فإذا دخلت البيت، وتراءيت سوادا فی زاوية البيت، فاضربه قبل ان يتكلم، فإنه شيطان۔ (مسند احمد، رقم الحديث: ۱۱۶۲۴)

یہ لے لو، یہ تمہارے دس قدم آگے اور دس قدم پیچھے روشنی دے گی، پھر جب تم اپنے گھر میں داخل ہو اور وہاں کسی کونے میں کسی کا سایہ نظر آئے تو اس کے بولنے سے پہلے اسے اس چھڑی سے ماردینا کہ وہ شیطان ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

۶۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ یدِ بیضاء عطا کیا کہ آپ علیہ السلام کا ہاتھ مبارک نورانی بن جاتا اور چمکنے لگتا۔ دوسری طرف کئی متفق علیہ احادیث مبارکہ میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ تاجدار کائنات

ﷺ نے جس کے چہرے کو چھولیا، اس کا چہرہ بیضاء کی مانند روشن ہو کر عمر بھر چمکتا رہتا۔ نبی کا اپنا ہاتھ چمکے تو معجزہ ہے اور اگر نبی کا اپنا ہاتھ ابدیت کی شان پر رہے اور جسے چھو جائے وہ عمر بھر کے لیے چمکنے لگ جائے تو یہ دیگر انبیاء کے معجزات سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ شان صرف تاجدار کائنات ﷺ کو ہی حاصل ہے۔

۷۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر لوہا پگھل جاتا تھا جبکہ تاجدار کائنات ﷺ کے قدموں میں آنے پر بے شمار سخت قلوب والوں کی "انا" اور "میں" پگھل جاتی تھی۔ دنیا کے بگڑے ہوئے لوگ جب چہرہ انور ﷺ پر نگاہ ڈالتے تھے تو ان کی تقدیریں بدل جاتی تھیں۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر فقط لوہا پگھلا جبکہ شان اور عظمت مصطفیٰ ﷺ یہ ہے کہ تاجدار کائنات ﷺ کا دست مبارک بڑھا تو نہ جانے کتنے سخت دل پگھل گئے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو شانِ مسیحائی عطا کی کہ آپ علیہ السلام بیماروں کو شفا دیتے اور نابینا لوگوں کو بینائی عطا کرتے جبکہ تاجدار کائنات ﷺ کی شان یہ تھی کہ اگر کسی کی آنکھ اپنی جگہ سے نکل جاتی تو اس کو اپنے دستِ اقدس سے اس کی جگہ پر واپس رکھ کر بینائی عطا فرما دیتے۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوہ بدر کے دن تیر کا نشانہ بنی اور ان کا ڈھیلا نکل کر چہرے پر لٹک گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آنکھ کے ڈھیلے کو کاٹنا چاہا تو آقا علیہ السلام نے منع فرما دیا اور اس کو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر ان کی آنکھ کی جگہ پر رکھا۔ جیسے ہی آپ ﷺ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اس کی جگہ پر رکھا تو فوراً آنکھ جڑ گئی اور نہ صرف جڑ گئی بلکہ بینائی بھی فوراً بحال ہو گئی۔ (مسند ابی یعلیٰ، ۳: ۱۲۰)

ایک چیز جو اپنی ہیئت میں قدرتی تھی اور سائنسی اعتبار سے اپنی معینہ جگہ پر تھی، اگر وہ اس مقام پر رہتے ہوئے کام کرنا بند کر دے تو اسی مقام پر اس میں جان لوٹا دی جائے تو یہ اتنا حیران کن نہیں لیکن یہ بات عقل سے ماوراء ہے کہ وہ عضو اپنے اصل مقام سے کٹ کر باہر نکل جائے اور پھر اس کو اسی جگہ پر رکھ کر فوراً جوڑ دیا جائے، یہ تصرف مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کسی سے ممکن نہیں۔ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ اس طرح کے کئی واقعات ہیں۔ غزوہ احد میں ایک صحابی آقا ﷺ کی بارگاہ میں اپنی نکلی ہوئی آنکھ لے کر آئے۔ آقا ﷺ نے اپنے لعابِ دہن لگا کر اس آنکھ کو اس کی جگہ پر رکھا تو آنکھ ٹھیک ہو گئی اور بینائی لوٹ آئی۔ یہ ایسا تصرف ہے کہ ایسا تصرف آج تک آسمان نے نہیں دیکھا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام کو یہ معجزہ دیا گیا کہ جنات پر آپ علیہ السلام کو تصرف اور اختیار حاصل تھا۔ آقا علیہ السلام کو بھی جنات پر تصرف عطا فرمایا گیا لیکن فرق یہ ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے تصرف میں تو صرف ان کے دور کے ہی جنات تھے جبکہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے تصرف و اختیار میں صرف آپ علیہ السلام ہی کے زمانہ کے

جنات نہیں تھے بلکہ آج اور آنے والے زمانے کے جنات کو بھی آقا علیہ السلام کا تابع و فرمانبر دار بنادیا گیا۔ یہاں تک کہ آقا علیہ السلام کے ادنیٰ غلام اور امتی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر ان جنات پر تصرف واختیار رکھتے ہیں۔

روایات کے مطابق سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک نایاب اور کرشماتی انگشتری تھی جو ایک بار ان سے کہیں کھو گئی تو اس کے ساتھ ہی سلطنت بھی ان کے ہاتھوں سے کچھ عرصہ کے لیے چلی گئی۔ اس انگوٹھی میں ایسی کیا وجہ تھی کہ اس کے کھو جانے سے حضرت سلیمان علیہ السلام حکومت سے محروم ہو گئے؟ روایات کے مطابق اس انگوٹھی پر تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا تھا۔ جب تک سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس وہ انگوٹھی رہی تو حکومت ان کے پاس رہی اور جوں ہی وہ انگوٹھی ان سے کھو گئی، حکومت بھی ان کے ہاتھ سے چلی گئی۔

اسمِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والی انگوٹھی پاس رہے تو سلطنت بھی قدموں میں رہتی ہے اور اگر کھو جائے تو سلطنت بھی چلی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا تصرف بھی اسم مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دین اور عطا ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جن کے دلوں میں مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہتے ہیں، دنیا ان کے قدموں میں رہتی ہے اور جو محبت و عشقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور ہو جاتے ہیں، دنیا بھی اپنا چہرہ ان سے پھیر لیتی ہے۔ یہ بھی اختیار و تصرفِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ جو اِن کا ہوا، دنیا اُن کی ہو گئی اور جو اُن کا نہ رہا، دنیا ان کی نہ رہی۔

(جاری ہے)

ماہنامہ منہاج القرآن

فی شمارہ: 60 روپے

سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128

0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740

Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

عقیدت و محبتِ رسول ﷺ
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ فکر و عمل

ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے آخری رسول اور محبوب سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ کی سراپا محاسن و کمالات ذات سے دنیا ومافیہا حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ اور والہانہ عقیدت و محبت رکھنے کا مسئلہ اہلِ ایمان میں کبھی مختلف فیہ نہیں رہا۔ نبی کریم ﷺ کی ذات والا شان سے محبت ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن میں پیوست اور رچی بسی ہے اور عقلی و نقلی اعتبار سے حبِّ رسول ﷺ کے وجوب پر امتِ مسلمہ کے تمام قابلِ ذکر مکاتبِ فکر اور علماء و مشائخ متفق ہیں۔ مگر اس کے باوجود وطنِ عزیز میں بدقسمتی سے حبِّ رسول ﷺ کے اظہار کا معاملہ کچھ عرصہ سے نہ صرف ''افراط و تفریط'' کا شکار ہو کر رہ گیا ہے بلکہ اس میں ''انتہا پسندی'' کا عنصر بھی داخل ہونے لگا ہے۔

چنانچہ کچھ لوگوں کے نزدیک حبِّ رسول ﷺ صرف اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ تک محدود نظر آتی ہے۔ چھوٹے بڑے تمام معاملاتِ زندگی میں اتباع کے علاوہ کسی دوسرے انداز و رنگ میں حضور ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت کے قلبی جذبات کا اظہار (چاہے وہ شرعی و فقہی لحاظ سے مباح ہی کیوں نہ ہو) ان کے ہاں خلافِ شریعت بلکہ شرک و بدعت کے زمرے میں آتا ہے۔

جبکہ دوسری طرف عوام الناس کی اکثریت اور بعض کاروباری حضرات حبِّ رسول ﷺ کا شرعی تقاضا پورا کرنے کے لیے صرف رسمی، موسمی اور نمائشی قسم کی محفلوں جلسوں اور جلوسوں کے انعقاد اور مساجد و بازاروں کی تزئین و آرائش پر اکتفا کیے بیٹھے اور اپنے معاملاتِ زندگی، طرزِ معاشرت

اور بود و باش میں شریعت و سنت کی اتباع اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی کو پسِ پشت ڈالے نظر آتے ہیں۔ وہ حبِّ رسول ﷺ کے زعم میں نماز جیسے بنیادی رکنِ اسلام کی پابندی اور باجماعت نماز کے اہتمام کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔

حبِّ رسول ﷺ کے مظاہرہ کے حوالہ سے محبتِ رسول ﷺ سے سرشار مگر ضروریاتِ دین سے بھی ناواقف سادہ لوح عوام کی اس طرح کی سوچ و مزاج اور اتباعِ شریعت و اطاعتِ رسول ﷺ کے معاملے میں انہیں بے خوف و نڈر بلکہ بے عمل بنانے میں بہت بڑا ہاتھ ان پیشہ ور، قصہ گو اور واہ واہ کے دلدادہ واعظوں اور خطیبوں کا بھی ہے جو علمِ دین کے اصل سرچشموں تک رسائی کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں نہ مطالعہ و تحقیق سے دلچسپی۔ اسی طرح کسی واقعہ و کرامت کی صحت سے انہیں کوئی سروکار ہے اور نہ موضوع روایات کے بیان کرنے پر وعیداتِ نبوی ﷺ کی پرواہ۔ خوفِ خدا سے عاری، وعظ و نصیحت کے شرعی آداب سے ناواقف اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا سے زیادہ منتظمین جلسہ و مسجد کی خوشنودی کے طالب یہ واعظین اس درجہ بے عملی اور قبر و آخرت کے حساب کتاب سے لاپروائی اور غفلت کے زمانے میں بھی عموماً سامعین کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ شریعت کی پابندی اگرچہ نہ بھی ہو تب بھی محبتِ مصطفی ﷺ سے کام چل جائے گا۔

بے عملی کی رہی سہی کسر ان گلوکار ٹائپ نعت خوانوں اور قرآن و حدیث سے نابلد اور فنِ خطابت کے جوہر دکھانے اور لفاظی و داد کے خواہاں ''نقیبانِ محفل'' نے نکال دی ہے جو فقط محفل میلاد و نعت کے انعقاد پر ''جنت کا ٹکٹ'' جیب میں لیے پھرتے ہیں۔

درج بالا قسم کے غیر محتاط اور غیر محقق نام نہاد علماء اور نقیبانِ محفل کے مسندِ وعظ و خطابت اور منبر رسول ﷺ پر براجمان بلکہ قابض ہو جانے سے عامۃ المسلمین کو جو علمی، فکری اور دینی نقصان پہنچ رہا ہے، وہ ایک المیہ اور لمحۂ فکریہ ہے۔

حبِّ رسول ﷺ کے اظہار کے حوالے سے ''افراط و تفریط'' پر مبنی درج بالا صورت حال کے پیشِ نظر ضروری خیال کیا گیا کہ حبِّ رسول ﷺ کے معاملے میں کیوں نہ ان خوش نصیب حضرات کا طرزِ عمل سامنے لایا جائے جن کے مثالی و معیاری ایمان و عمل، خلوص وللہیت، زہد و تقویٰ، اسلام کے لیے ایثار و قربانی اور پیغمبرِ اسلام کے لیے حد درجہ جاں نثاری اور بے مثال عقیدت و محبت پر خود اللہ کی عالم الغیب والشہادہ اور علیم بذاتِ الصدور ذات مہرِ تصدیق ثبت کر چکی ہے اور جن کی راہ ہی ہدایت کی راہ ہے۔ یقیناً اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ و مجتہد صحابی نے اپنے اہلِ زمانہ (تابعین) کو تلقین فرمائی تھی:

”جو آدمی (کسی معاملے میں) کسی کی سنت و طریقہ کی پیروی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے طریقہ پر چلے جو فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ زندہ آدمی (عام طور پر) دین میں فتنہ سے مامون (محفوظ) نہیں ہوتا۔ وہ (قابلِ پیروی لوگ) حضرت محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو اس امت میں سب سے افضل، دلوں کے اعتبار سے سب سے نیک، علم میں سب لوگوں سے گہرے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے۔ جنہیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کے قائم رکھنے کے لیے (ساری کائنات سے) منتخب فرمایا تھا۔ اس لیے (دوسروں کے مقابلے میں) ان کی فضیلت (عظمت و بزرگی) کو پہچانو اور (علم و عمل میں) ان کے نقشِ قدم پر چلو اور مقدور بھر ان کے اخلاق اور ان کی سیرتوں کو پکڑے رہو کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔“

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حبِّ رسول ﷺ کے معاملے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ محبتِ رسول ﷺ کا دعویٰ خود فریبی کے مترادف ہے۔ اس لیے دین و دنیا کے دیگر معاملات کی طرح حبِّ رسول ﷺ کے مظاہرہ میں بھی حضور ﷺ کے براہِ راست فیض و تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہر قسم کے تصنع تکلف اور نمود و نمائش سے پاک طرزِ عمل پر چلنا ہی ہر طرح کے ظاہری و باطنی نقصانات و خطرات سے محفوظ و مامون اور سیدھی راہ ہے۔ انھوں نے اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ کے بھی ریکارڈ قائم کردیئے اور شریعت کی پابندی کرتے ہوئے بے ساختہ اور غیر مصنوعی فطری انداز میں حضور ﷺ کے ساتھ قلبی لگاؤ اور محبت کے اظہار میں بھی کبھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

حبِّ رسول ﷺ کے اظہار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل کیا تھا؟ انھوں نے حضور ﷺ کی ظاہری زندگی اور وصال کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ اپنی والہانہ محبت کا اظہار کس کس انداز میں کیا؟ زیرِ نظر تحریر میں انہی ”مظاہرِ محبت“ کو مستند ماخذ و مراجع کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے:

ذاتِ رسول ﷺ: ہر شے سے محبوب

رسولِ مقبول ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ دنیا و مافیہا سے زیادہ اور والہانہ محبت رکھنا عقلی و نقلی ہر دو اعتبار سے ضروری ہے۔ محبتِ رسول ﷺ کی اسی اہمیت و ضرورت کے مدِّ نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی ذات والا شان کے ساتھ کس طرح دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز اور قریبی سے قریبی رشتہ سے زیادہ والہانہ ٹوٹ ٹوٹ کر اور دل و جان سے محبت رکھتے تھے اور کس کس انداز میں عملی طور پر اس محبت کا اظہار ہوتا تھا، اس کا کچھ اندازہ درج ذیل جذبات و تاثرات اور مظاہرے سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) جذباتِ و تاثراتِ محبت: چند جھلکیاں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں (صحابہ) کی محبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیسی تھی؟ فرمایا: اللہ کی قسم آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہمارے نزدیک ہمارے اموال، اولاد، ماں باپ اور پیاسے کے لیے ٹھنڈا پانی جتنا عزیز ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ محبوب تھی۔ (قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ ۲: ۲۲)

☆ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا، ان کی زوجہ آپ رضی اللہ عنہ کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ شدتِ غم سے ان کی زبان سے نکلا: ''واحزناہ''۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مت کہو بلکہ کہو:

''واطرباہ'' (کتنا خوشی کا وقت ہے)

''غداً القی الاحبہ محمداً وصحبہ'' کل اپنے احباب یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ سے ملاقات کروں گا۔

(قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۳: ۳۰۷)

☆ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میں آپ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو کچھ تم کہہ (دعویٰ کر) رہے ہو، اس پر غور کرلو (یہ دعویٰ اتنا آسان نہیں)۔ اس نے دوبارہ کہا: اللہ کی قسم میں آپ ﷺ کی ذات سے محبت رکھتا ہوں اور یہ جملہ (دعویٰ) تین مرتبہ دہرایا۔ فرمایا! اگر تم میرے ساتھ محبت رکھتے ہو تو پھر فقر کے لیے اپنی کمر کس لو کیونکہ جو آدمی مجھ سے محبت رکھتا ہے تو فقر اس کی طرف (کثرتِ انفاق اور جود و سخا کے سبب) اس سیلاب سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے آتا ہے جو اپنے بہاؤ کی طرف تیزی سے بہتا ہے۔

(ترمذی، جامع، ابواب الزہد باب، ماجاء فی فضل الفقر)

(۲) حضور ﷺ کے لیے معمولی تکلیف بھی پسند نہ ہونا

سچی، حقیقی اور واقعی محبت کا طبعی و فطری تقاضا ہے کہ محب اپنے محبوب کو معمولی سے معمولی تکلیف اور رنج میں بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس قسم کی واقعی محبتِ رسول ﷺ کا ایک روح پرور مظاہرہ ملاحظہ فرمایئے:

صحابیِ رسول ﷺ حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ چند دیگر صحابہ کے ہمراہ ۴ھ میں دو عرب قبائل کی درخواست پر حضور ﷺ کی طرف سے ان کی تبلیغ و تعلیمِ دین کے لیے تشکیل دیئے گئے ایک تبلیغی قافلہ میں شامل تھے کہ راستے میں ان قبائل کی بدعہدی کی بناء پر آپ قبیلہ بنو لحیان کے کچھ لوگوں کے

دھوکے میں آگئے اور گرفتاری دے دی۔ انھوں نے جناب زید رضی اللہ عنہ کو مکہ میں لاکر فروخت کر دیا۔ زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو مشہور رئیس مکہ صفوان بن امیہ نے خرید لیا کہ غزوہ بدر میں جہنم رسید کیے گئے اپنے باپ امیہ کے عوض حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکے۔

چنانچہ صفوان نے انھیں اپنے غلام نسطاس کے ہاتھ حرم کے باہر تنعیم میں لے جاکر قتل کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس کے ہمراہ قریش کے چند لوگ اور بھی تھے جن میں ابوسفیان بن حرب بھی شامل تھا۔ زید کے قتل کی تیاری ہوئی تو ابوسفیان نے کہا: اے زید! خدارا بتاؤ کہ کیا تمھیں پسند ہے کہ اب تیرے بجائے ہم تمھارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرتے اور تو اپنے گھر میں ہشاش بشاش ہوتا۔ تو حضرت زید نے کہا:

واللہ! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مکان میں کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے اہل و عیال میں آرام سے بیٹھا رہوں (چہ جائیکہ آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو العیاذ باللہ شہید کر دیا جائے) یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: میں نے لوگوں میں سے کسی کو ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی اس سے کرتے ہیں۔ پھر نسطاس نے حسبِ منصوبہ جناب زید رضی اللہ عنہ کو جامِ شہادت نوش کرادیا۔ (ابن کثیر، سیرۃ النبی، ۲: ۹۸)

(۳) آخرت میں معیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو

بارگاہِ نبوی میں حاضری کوئی معمولی سعادت نہیں تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیتِ نبوی میں ایمانی و روحانی انوار و برکات، ذہنی اطمینان و سکون، قلبی جذب و کیف اور مسلسل سرشاری کے عینی مشاہدہ کے بعد اس بات کی اکثر آرزو کرتے تھے کہ جس طرح دنیا میں انھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے جانے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اختیار کرنے کا موقع حاصل ہے، اسی طرح آخرت اور جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی دولت حاصل رہے۔

حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی الانصاری (م ۶۳ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں رات بارگاہ نبوی میں گزارتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وضو کا پانی لاتا اور دیگر خدمات سرانجام دیتا۔ (ایک رات ان کی پرخلوص اور بے لوث خدمت دیکھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آگیا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ربیعہ مانگو (جو کچھ مانگنا چاہتے ہو)۔ میں نے عرض کیا:

اسئلك مرافقتك فی الجنة۔

”میں جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت وصحبت کی درخواست کرتا ہوں۔“

فرمایا: او غیر ذالك۔ علاوہ ازیں کوئی سوال؟

میں نے عرض کیا بس میری یہی ایک آرزو ہے۔ فرمایا (اگر اتنے بلند مرتبے کے خواہاں ہو) تو اپنی

خواہشاتِ نفس کے برعکس کثرتِ سجود سے اس معاملے میں میری مدد کرنا۔
(مسلم، الصحیح، کتاب الصلوٰۃ باب فضل السجود والحث علیہ، ۱: ۱۹۳)

(۴) حضور ﷺ کے کلماتِ ناراضگی و مزاح بھی محبوب

انسان کو اگر اس کی غلطی پر یا تنبیہ کے طور پر کوئی سخت کلمہ کہہ دیا جائے تو وہ اپنی فطرت کے مطابق عام طور پر اس سخت کلمہ کو دہرانا چاہتا ہے اور نہ دوسروں کو آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضور ﷺ کی ناراضگی کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اگر حضور ﷺ نے کسی موقع پر بوجوہ کسی صحابی سے ناراضگی کا اظہار فرمایا ازراہِ مزاح کوئی لفظ کہہ دیا تو وہ اسے چھپانے کی بجائے فخریہ لوگوں کو بتاتا تھا۔ اس قسم کے اندازِ محبت کی ایک ایمان افروز نظیر ملاحظہ فرمایئے:

حمزہ نامی ایک جنگجو اور بڑے بہادر صحابی اکثر غزوات میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہے، ان کی بہادری اور جنگی چالبازیوں کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ نے انہیں ایک مرتبہ کہہ دیا:

یا مثعب (اے گرگٹ)۔ یہ صحابی کہتے ہیں کہ تمام ناموں میں میرے نزدیک محبوب ترین اور پسندیدہ نام یہی ''مثعب'' تھا اور میں چاہتا تھا کہ مجھے اسی نام سے پکارا جائے۔

(ابن عبد البر، الاستیعاب، ۴: ۱۴۵۶)

☆ اسی طرح ''سفینہ'' کے لقب سے معروف صحابی (جن کے اصل نام میں اختلاف ہے۔ ابو عبد الرحمن مہران، عمیر، عبس، سقبہ) ایک سفر میں جب حضور ﷺ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ چل رہے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے سامان کا بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت سا سامان ان کی پیٹھ پر لاد دیا۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو ان سے فرمایا: سامان اٹھاؤ، بے شک تو ''سفینہ'' ہے۔

سفینہ کہتے ہیں کہ اس دن میرے اوپر اونٹ کا بوجھ بھی لاد دیا جاتا تو (حضور ﷺ کے سفینہ کہنے کی برکت سے) مجھے محسوس نہ ہوتا۔ مزید فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے میرا نام ''سفینہ'' رکھا ہے اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ مجھے کسی دوسرے نام سے پکارا جائے۔ (ابن عبد البر، الاستیعاب، ۲: ۶۵۸)

(۵) رسول مقبول ﷺ سے قریب العہد ہونے کا اشتیاق

معروف صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فخر کے طور پر یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ تمام لوگوں (صحابہ) سے بڑھ کر حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ''قریب العہد'' یا ''حدیث العہد'' ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور اس منفرد اعزاز و اجمال کی تفصیل یوں بیان کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کی جب تدفین ہو چکی تو میں نے اپنی انگوٹھی اتاری اور اسے (نظریں بچاتے ہوئے) قبرِ انور میں پھینک دیا۔ پھر میں نے (حاضرین

سے) کہا کہ میری انگوٹھی مجھ سے قبرِ انور میں گر گئی ہے حالانکہ میں نے اسے عمداً پھینکا تھا اور اس لیے پھینکا تھا کہ حضور ﷺ کے جسدِ اطہر کو دنیا سے جاتے ہوئے ایک مرتبہ مس کرلوں تاکہ میں ''احدث الناس عھداً بہ'' آپ ﷺ کی ذات سے تمام لوگوں سے بڑھ کر قربِ زمانہ کا اعزاز حاصل کرلوں۔

(ہیثمی، مجمع الزوائد، باب ماجاء فی المغیرہ، ۹: ۳۶۱)

جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ سے قریب العھد ہونے کا اعزاز قثمؓ بن عباس کو حاصل تھا۔ (ابن سعد، الطبقات، ۲: ۳۰۲)

(۶) حضور ﷺ کی خاطر مزدوری کی رقم قربان

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ جو دنیوی مال و دولت کے اعتبار سے اگرچہ فقیر مگر ایمانی دولت کے لحاظ سے ایک ''سرمایہ دار'' اور بلند ہمت و بلند قامت صحابی بھی تھے۔ جن کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے اور جنھیں اسلام قبول کرنے اور ایمان لانے کی پاداش میں اہلِ مکہ کی طرف سے ظلم و ستم کا نشانہ بننے اور اس آزمائش و امتحان میں ثابت قدم رہنے کا ''اعزاز'' بھی حاصل ہے۔ نبی رحمت ﷺ کے دامن سے اپنی کمال وابستگی کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں ایک لوہار (لوہے کا کام کرنے والا) آدمی تھا۔ میں نے (معروف دشمنِ رسول) عاص بن وائل (سہمی) کے لیے ایک کام کیا۔ جس کے بدلے میں میری کچھ مزدوری اس کے نام جمع ہوگئی۔ میں اپنی مزدوری (یا اجرت کی رقم) لینے کے لیے اس کے پاس آیا تو اس نے کہا: قسم بخدا! میں تمھیں اس وقت تک ادائیگی نہیں کروں گا، جب تک تم محمد ﷺ کا انکار نہیں کرتے ہو۔

میں نے کہا: اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، یہاں تک کہ تو مرے اور پھر اٹھایا جائے (یعنی قیامت تک ایسا نہیں ہوسکتا)۔ اس نے کہا: کیا میں مروں گا اور دوبارہ اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا: ہاں، ایسا ہوگا۔ تو از راہِ مذاق کہنے لگا، پھر وہاں بھی میرے پاس مال و اولاد ہوں گے، لہٰذا میں تمھاری مزدوری وہاں ادا کروں گا۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا: مجھے (قیامت کے روز بھی اسی طرح) مال و اولاد ضرور دیے جائیں گے۔'' (مریم: ۷۷)

(بخاری، الصحیح، کتاب البیوع باب ذکر القین والحداد، ۱: ۲۸۱)

(۷) صحبتِ رسول ﷺ کی خاطر قطعہ زمین واپس کر دینا

ابنِ سیرین کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے سلیط نامی ایک انصاری کو جس کے فضل و احسان کا

وہ ذکر کرتے تھے، ایک قطعہ زمین دیا تھا۔ یہ شخص اپنی اس زمین پر جاکر وہاں کچھ دنوں قیام کر کے واپس آیا کرتا تو لوگ اسے بتاتے کہ تمھاری عدم موجودگی میں قرآن مجید کا فلاں فلاں حصہ نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں مسئلوں کے فیصلے فرمائے۔ چنانچہ وہ شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے عنایت کردہ قطعہ زمین نے مجھے آپ ﷺ کی صحبت سے محروم کر دیا ہے۔ لہٰذا میری جانب سے آپ ﷺ اسے قبول (واپس) فرمالیں۔ مجھے ایسی کوئی چیز درکار نہیں جو آپ ﷺ کی صحبت سے مجھے محروم کر دے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہ قطعہ زمین ان سے واپس لے لیا (اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کو دے دیا)۔

(ابو عبید، کتاب الاموال، ۴۱: ۴۰۹)

(۸) اجازتِ رسول ؐ کے بغیر مشرکہ ماں کو گھر نہ آنے دینا

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری ماں (قتیلہ) جو مشرک تھیں (جنھیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں ہی طلاق دے دی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد) مجھ سے ملنے آئیں۔ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کچھ توقع لے کر آئی ہیں کیا میں ان کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کر سکتی ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الھبۃ باب الھدیۃ للمشرکین)

جبکہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطورِ تحفہ گوہ، پنیر اور مکھن لائی تھیں لیکن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے انھیں اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینے اور ان کا تحفہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضور ﷺ سے دریافت کرایا تو آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ وہ ان کا تحفہ قبول کر لیں اور اپنے گھر بھی آنے دیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی موقع پر اللہ کریم نے یہ وحی نازل فرمائی تھی:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (الممتحنۃ: ۸)

”اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

حبِّ رسول ﷺ سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذکورہ واقعات سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ جب تک آپ ﷺ کی ذات والا شان کے ساتھ اس طرح کا والہانہ اور قلبی تعلق پیدا نہ ہو، مسلمان ایمان کی حلاوت کو نہیں پا سکتا۔

(جاری ہے)

ربیع الاول اور نسبتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر محمد زہیر احمد صدیقی
ریسرچ سکالر فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

جب کائنات کے افق پر اندھیروں نے بسیرا کر رکھا تھا اور انسانیت جہالت، ظلمت وضلالت اور تنگ نظری کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی، اللہ رب العزت نے انسانیت پر رحم فرماتے ہوئے اسے ایک ایسا لمحہ بھی عطا فرمایا جس نے انسانیت کو سنوار دیا اور انسان کو اس کی اصل پہچان عطا کی۔ یہی وہ ساعتِ مسعود ہے جو ماہِ ربیع الاول میں طلوع ہوئی، جب سید المرسلین، رحمت للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔

ولادتِ محمدی، انسانیت پر اللہ رب العزت کا ایک بڑا احسان تھا، اسی لیے قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ایک جگہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ۔ (آل عمران، ۳: ۱۶۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے عظمت والا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیجا”۔

لہٰذا دقت و گہرائی سے کیا گیا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر لے جائے گا کہ ربیع الاول اسلامی تقویم کا صرف ایک مہینہ ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بہت بڑھ کر شعور، نسبت، محبت، اطاعت اور روحانی بیداری کا موسم ہے۔ یہ مہینہ امتِ مسلمہ کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے

تعلق کو از سرِ نو استوار کرنے، رسول مکرم ﷺ کی زندگی کی ہر جہت کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرنے کا ایک نایاب موقع فراہم کرتا ہے۔ زیرِ نظر تحریر میں ہم اس تصور کو واضح کریں گے کہ کس طرح سے یہ مہینہ اہلِ اسلام کے جملہ طبقات کے لیے نسبتِ محمدی کو حقیقی معنی میں مضبوط کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے:

ربیع الاوّل: وحدت واتحاد کا موسم

قارئین کرام! جیسے ہی ماہ ربیع الاول آتا ہے، لوگ اپنی توجہات نسبتِ محمدی کی جملہ صورتوں کو مضبوط و مستحکم بنانے پر مرکوز کرنے کے بجائے میلاد پر فرحت وانبساط کے اظہار کی مروجہ صورتوں کے جواز وعدم جواز کی بحث میں الجھ جاتے ہیں اور پھر یہ معاملہ یہاں پر رکتا نہیں بلکہ لوگ بالعموم دو گروہوں میں بٹ کر اس معاملہ میں افراط و تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یوں اکثر و بیشتر یہ مبارک مہینہ جواز وعدم جواز کی اسی ذہنی کشمکش میں گزر جاتا ہے جہاں دونوں اطراف اعتدال و توازن سے خالی نظر آتے ہیں۔ بظاہر مقابلہ کی اس فضا میں ہر ایک فریق دوسرے کو گمراہ و گستاخ اور خود کو محب وعاشق ثابت کرنے میں سرگرداں رہتا ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں بسنے والے افراد محض ایک فرعی مسئلہ پر تقسیم در تقسیم کا شکار ہو رہے ہیں۔ کوئی محبتِ رسول ﷺ کا نعرہ بلند کر کے تو کوئی اطاعتِ رسول ﷺ کا علم تھامے ایک دوسرے کی نیتوں اور خلوص پر شک کرتا نظر آتا ہے۔ وہ ماہِ نور جسے امت کی وحدت و محبت کا عنوان بننا تھا، وہ اختلاف وافتراق کی علامت بنتا جا رہا ہے۔

تاہم یہاں ہمارا مقصود نہ تو میلادِ نبوی ﷺ کے جواز پر دلائل کا انبار لگانا ہے اور نہ ہی عدمِ جواز کی آرا نقل کرنا۔ ہمارا اصل مدعا اس اعتقادی اور فقہی نزاع کے گرد کوئی نیا دائرہ کھینچنا نہیں، بلکہ ایک ایسی فکری جہت کی طرف متوجہ کرنا ہے جو امتِ مسلمہ کو متفق علیہ، مسلّمہ اصولوں کے محور پر مجتمع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہم یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ امت کے ہر طبقے میں موجود اہلِ علم، جو فہم و فراست، تدبر و توازن اور دینی درد سے آراستہ ہیں، خواہ وہ محبتِ رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار ہوں یا اطاعتِ رسول ﷺ کے داعی، انہیں چاہیے کہ وہ امت کو ان غیر ضروری فرعی موشگافیوں میں الجھانے کی بجائے، اپنے اپنے دائرۂ اثر میں اس مبارک مہینے اور رسولِ رحمت ﷺ کی ذاتِ اقدس سے متعلق وہ مسلّمہ اعتقادی حقائق اجاگر کرنا شروع کر دیں جو امت کو جوڑنے والے ہیں، توڑنے والے نہیں؛ جو ایمان کو تقویت دینے والے ہیں، افتراق کو ہوا دینے والے نہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اس ماہِ مبارک کو، جس کی عمر صدیوں پر محیط ہے، بحث و مباحثہ کا میدان نہ بنائیں بلکہ اہلِ علم، صاحبانِ عقل و خرد مل بیٹھیں اور اس ماہ مبارک کو فکر، کردار اور تزکیہ کا موسم بنانے میں اپنی توانائیاں صرف کریں۔ ایسی روش اپنائی جائے جو عشق و اطاعت کو باہم پیوست کر کے امت کو وحدت کی لڑی میں پرودے۔

امت کو وحدت کے دھارے میں سمونے کے لیے ہمیں ان مسلّمہ و متفقہ اعتقادی اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جو کسی فقہی تعبیر یا گروہی وابستگی کے محتاج نہیں، بلکہ ایمانِ کامل اور عقلِ سلیم دونوں کی یکساں آواز ہیں۔ اس بات کا انکار کون کر سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا اس کائنات میں مبعوث فرمایا جانا، عام فرد کی ولادت کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ اللہ رب العزت کا احسانِ عظیم ہے جس کا اظہار ''لَقَدْ مَنَّ اللهُ'' کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔۔۔؟ مستزاد یہ کہ کیا یہ انکار ممکن ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی ولادت، نہ صرف یہ کہ احسان ہے، بلکہ ایک ایسی نعمتِ عظمیٰ ہے جس کے توسط سے باقی تمام نعمتیں، بالخصوص توحید کی دولت اور قرآن مجید کی نعمت میسر آئی۔۔۔؟ اس بات کا انکار کیوں کر ممکن ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت سب سے بڑھ کر باعثِ مسرت و فرحت ہے اور خود نفسِ فرحت کا حکم اللہ رب العزت قرآن مجید میں: ''فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا'' (یونس، ۱۰، ۵۸) کے الفاظ سے فرما رہا ہے۔۔۔؟

بعثتِ نبوی ﷺ بلاشبہ فخرِ انسانیت ہے، مگر بعثت سے قبل ولادت کا مرحلہ ہے، جس کا ذکر قرآن و حدیث میں بیشتر مقامات میں واضح ہے۔ تو کیا یہ مناسب ہے کہ ہم بعثت کا تذکرہ تو فخر سے کریں مگر میلاد کا ذکر کرنا باعثِ نزاع بنا دیں؟ جبکہ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ حضور ﷺ سے ظاہر ہونے والے معجزات حسّی بھی ہیں، اور معنوی بھی۔ پھر حسّی معجزات میں سے ولادت مبارکہ کے وقت، قبل از ولادت و بعد از ولادت ظاہر ہونے والے معجزات بھی ہیں، جن کے ذکر سے سیرتِ نبوی کی اکثر و بیشتر کتابیں، خواہ قدیم ہوں یا جدید، بھری ہوئی ہیں۔

قارئین محترم! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ محبت اور اتباعِ رسول ہر شخص کے ہاں اصل ایمانی تقاضا ہے، تو پھر علمی دیانت اور دین سے وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم فرحت کی مروجہ صورت کے جواز و عدم جواز کی بحث میں الجھنے کی بجائے، اعتدال پر رہتے ہوئے، ماہِ ربیع الاول میں حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے مسلّمہ معتقدات کی ترویج میں محنت کریں۔ ہر خاص و عام پر واضح کریں کہ یہ وہ مبارک ماہ ہے جس میں خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی ولادتِ باسعادت کا عظیم الشان واقعہ رونما ہوا، جس کا کسی کو انکار نہیں۔۔۔ غیر جانبدار رہتے ہوئے یہ واضح کیا جائے کہ یہ وہ مہینہ ہے جو امت کو اس

مقام کی یاد دلاتا ہے جہاں سے اس کی روحانی، فکری اور تہذیبی شناخت کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمیں امیدِ قوی ہے کہ اگر یہ طرزِ فکر اپنایا جائے، تو اس کی برکت سے نہ صرف امت کا افتراق ختم ہوگا، بلکہ معاشرے میں توازن، ہم آہنگی، اور خیر کی فضا عام ہوگی۔

تاریخ گواہ ہے کہ ربیع الاول کی ساعتیں ہمیشہ امت کے لیے تازہ ولولوں اور زندہ امیدوں کی علامت رہی ہیں۔ اسی مہینے میں مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں سیرتِ طیبہ کا اجتماعی نقش قائم ہوا۔۔۔ اسی مہینے میں معاشرتی نظام کی بنیادیں پڑیں۔۔۔ اور اسی میں دنیا نے پہلی مرتبہ عملی توحید، عدلِ کامل اور اخلاقِ مصطفوی کی جھلک دیکھی۔ اگر ہم اپنی فکر کا مرکز میلاد کی غرض وغایت بعثتِ محمدی کے اہداف کی ترویج بنا لیں تو یقیناً اس کے مثبت اثرات معاشرے میں برکتیں بکھیریں گے اور ہم نسبتِ محمدی میں محض رسمی محبت واطاعت سے بڑھ کر حقیقی محبت ومتابعت کا سفر شروع کر سکیں گے۔

محبتِ رسول ﷺ: ایمان کی بنیاد اور روح

حضور سرورِ دوعالم ﷺ سے محبت فقط ایک فطری یا جذباتی جذبہ ہی نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ عینِ ایمان ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں امت کے اپنے نبی سے اس تعلق کو ان الفاظ کے ساتھ اظہار فرمایا:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ (احزاب، ۳۳: ۶)

یعنی یہ نبی مکرم ﷺ مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب اور حقدار ہیں۔

لہذا وہی ایمان ثمر بار ہے، جہاں نبی کو روایتی پیامبر کی حیثیت میں نہ رکھا جائے، بلکہ الوہی احکامات کا نمائندہ ہونے اور خلق وخالق کے درمیان واسطۂ عظمیٰ ہونے کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ مزید یہ کہ کامل مومن کی علامت ہی یہ ہے کہ وہ نبی کا مقام ومرتبہ اور نبی سے نسبت وتعلق میں اس درجہ مضبوط ہو کہ اپنی جان پر نبی کی ذات کو فوقیت دے۔ اسی طرح کے مفہوم کی صراحت احادیث مبارکہ میں جا بجا کی گئی ہے۔ حضور سرورِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ، وَوَلَدِهِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (صحیح بخاری، کتاب: ایمان، باب: حب الرسول من الایمان، ۱: ۱۴، رقم: ۱۵)

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ محبت جزوِ ایمان ہے، مگر یہ صرف زبان کی لذت یا آنکھ کے آنسو نہیں، بلکہ ایک شعوری نسبت ہے جو انسانی حیات کے ہر پہلو پر گہرے اثرات مرتب کرنا چاہتی ہے۔ وہ محبت جو اطاعت میں ڈھل جائے، وہ عشق جو متابعت کا رنگ لے لے اور وہ عقیدت جو کردار میں ظاہر ہو، وہی سچا عشق اور سچی نسبتِ رسول ﷺ ہے۔

استقبالِ ربیع الاوّل: روایتی جوش یا شعوری اطاعت؟

ہر سال جب ربیع الاوّل کے مبارک مہینے کی آمد ہوتی ہے تو امت کا مزاج ایک مخصوص انداز میں بیدار ہو جاتا ہے۔ شہر کی گلیاں جگمگا اُٹھتی ہیں، نعتیہ مشاعرے، محافلِ میلاد، جلوس اور چراغاں کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ سب من جہت اپنے دائرے میں محبت کی علامت ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے صرف جشن منانا ہے یا اس مہینے کو اپنے دل و دماغ کی تطہیر کا وسیلہ بھی بنانا ہے؟ نبی اکرم ﷺ کی آمد انسانیت کی بیداری تھی مگر ہم نے اس بیداری کو مخصوص تقریبات، رسمی تقریروں اور جزوقتی نعروں تک محدود کر دیا ہے۔ ہمیں سوچنا ہوگا کہ جب ہم پیارے نبی ﷺ سے عقیدت کے اظہار کے لیے اتنا اہتمام کرتے ہیں تو کیا ان کی اتباع اور متابعت کو بھی اسی درجے میں اپنی زندگی کا حصہ بنا سکے ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ. فَقَالَ لَهُ: انْظُرْ مَاذَا تَقُولُ ﷺ قَالَ: وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ تُحِبُّنِي فَأَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا، فَإِنَّ الْفَقْرَ أَسْرَعُ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السَّيْلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ. (سنن الترمذي، ۴: ۵۷۶، رقم: ۲۳۵۰)

اے اللہ کے رسول، خدا کی قسم مجھے آپ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، دیکھو، کیا کہہ رہے ہو؟ قارئین کرام! ان صحابی کی اللہ کے رسول سے محبت اور اس میں وارفتگی کا اندازہ لگائیں، انہوں نے تین بار اللہ کے رسول کے سامنے ان ہی الفاظ و انداز میں اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔ اب کی بار اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم مجھ سے حقیقتاً محبت کا تعلق رکھتے ہو تو اپنے آپ کو فقر و فاقہ کے لیے تیار کر لو، کیوں کہ مجھ سے محبت کرنے والوں کی طرف فقر اس سے بھی زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے جتنی تیزی سے سیلاب اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔

گویا آقائے نامدار ﷺ نے سمجھا دیا کہ میری محبت اگرچہ اصلاً دل کے خلوص پر مبنی جذبات و احساسات سے شروع ہو گی، مگر اس کی برکات انسان کو ایسے گھیر لیں گی کہ اس کی فکر و نظر میں اب

دنیاومافیہا کی کسی درجہ کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی بلکہ اللہ کے رسول کی محبت میں گرفتار شخص سے ہر فانی شے دور ہوتی جائے گی۔ محبت رسول کی لذت اس سے دنیااور اس کا مال ومتاع کا حرص مٹاکر رکھ دے گی۔ اب وہ مالدار ہو کر بھی اپنی ذات کے لیے فقر پسند کرے گا، اور مال جس مُنعِم برحق نے عطا فرمایا، اسی کی راہ میں انفاق کرنا پسند کرے گا۔

محترم قارئین! دیکھیے تو ذرا! اسلام جس محبت کی بات کرتا ہے، وہ محض افسانوی، رومانوی اور حسین تصورات پر مبنی نہیں بلکہ وہ محبت ایک ایسا شعوری احساس پیدا کر دیتی ہے جہاں انسان محض وقتی جذباتی تعلق میں نہیں رہتا، بلکہ اپنے اخلاق و کردار تک کو بدل دیتا ہے۔ یہ محبت انسان کو انفرادیت سے نکال کر اجتماعیت کے دھارے میں باندھ دیتی ہے۔ ہمیں کچھ لمحے رک کر ضرور اس بات پر غور کرنا ہے کہ ہم جب محبت رسول ﷺ کا دم بھرتے ہیں، تو کیا واقعی اس محبت کے لازمی تقاضے کے طور پر ہم سب اپنی زندگیوں میں ایسی فکری، اخلاقی، روحانی اور انقلابی تبدیلیوں کو جگہ دے سکے ہیں؟

ہم سمجھتے ہیں ربیع الاول کا اصل استقبال وہ ہے جہاں دل کی دنیا بدل جائے، اخلاق کے قرینے سدھر جائیں، عبادات میں خضوع پیدا ہو، زبان میں سچائی و صداقت، تجارت میں امانت و دیانت، باہمی تعلقات میں وفا اور خلوص اور دل میں اللہ ورسول ﷺ کی یاد کا بسیرا ہو۔

نسبتِ محمدی کا اصل معیار: متابعت مصطفی ﷺ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ۔

کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔

(آل عمران، ۳: ۳۱)

یہ آیت عشق کو اطاعت کے ترازو میں تولتی ہے۔ جو محبت، متابعت سے خالی ہو، وہ محبت بظاہر ایک دعوی ہے، جس کی برکات کماحقہ ظاہر نہیں ہو سکیں گی۔ نبی معظم ﷺ کی متابعت کا مطلب ہے کہ انسان اپنی انفرادی، عائلی، معاشرتی، قومی اور بین الاقوامی، الغرض زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی حضور اکرم ﷺ کی ذات سے لے۔ چاہے وہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ہو، یا بچوں کی تربیت، چاہے معیشت کی دیانت ہو یا عدلِ اجتماعی، چاہے غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ ہو یا دشمنوں کے ساتھ صلح، مضبوط و مستحکم نسبتِ محمدی انسان کو ایک ہمہ جہتی نظامِ حیات سے مربوط کر دیتی ہے، جس میں

انسان کے خیال و تصورات سے لے کر مزاج و طبیعت کے جملہ پہلو وحی الٰہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا۔ (الاحزاب، ۳۳: ۲۱)

تمہارے لیے رسول ﷺ کی ذات میں نہایت ہی حسین نمونہ حیات ہے ہر شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

مستزاد یہ کہ رسول بھیجے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بعثت کے بنیادی تصور کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ الله۔ (النساء، ۴: ۶۴)

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

ایک اور مقام پر اطاعتِ نبی کو ایمان کی لازمی شرط کے طور پر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَأَطِيْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ (الانفال، ۸: ۱)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

گویا متابعتِ رسول کو ایمان کا لازمی جزو قرار دے دیا۔ لہٰذا محبتِ رسول ﷺ کا عملی تقاضا ہے کہ ہم جملہ عبادات میں خشوع پیدا کریں۔۔۔ جملہ معاملات میں دیانت اپنائیں۔۔۔ زبان کو غیبت، بہتان، اور طعن سے پاک کریں۔۔۔ اور سب سے بڑھ کر دل کو انسانوں کے لیے نرم، معاف کرنے والا اور مخلص بنائیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَمَنْ يَأْبَى ﷺ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى۔ (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بالسنن رسول اللہ، ۶: ۲۶۵۵، رقم: ۶۸۵۱)

میری امت کے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر جو انکار کرے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کون ہے جو انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی، پس اس نے انکار کیا۔

گویا کہاں ایک طرف اطاعت سے دوری، جنت سے دوری قرار دی جارہی ہے اور کہاں ہم نیکی، تقویٰ پرہیزگاری، اخلاص کے بغیر بیڑے پار کروا رہے ہیں۔ ہمیں اگر نسبتِ محمدی میں مضبوطی لانی ہے تو نہایت سنجیدہ ہو کر جہالت پر مبنی جملہ تصورات کو اپنی زندگیوں سے خارج کرنا ہوگا۔

ربیع الاول صرف ایک یادگاری موقع نہیں، بلکہ یہ ایک دعوتِ تجدیدِ عہد ہے، ایک بار پھر دل کو عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے بھر لینے، زبان کو درود سے معطر کرنے اور زندگی کو اسوۂ محمدی ﷺ کے رنگ میں رنگ لینے کی دعوت۔ آج ہمیں ضرورت ہے اس شعوری انقلاب کی جو مدینہ میں برپا ہوا تھا۔ ربیع الاول کو محض دعووں کی محبت پر نہ گزاریں، اسے امت کی اصلاح، نوجوانوں کی بیداری اور سیرت کی عملی ترویج کا نقطہ آغاز بنائیں۔

وقت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ربیع الاول کو اختلافات کے ہجوم سے نکال کر وحدت کے آفاق تک لے آئیں۔ میلاد پر خوشیاں منانے کے اصول پر قائم رہیں مگر ان خوشیوں کو منانے کی مروجہ صورتوں پر فتوے لگانے اور باہم الجھنے کے بجائے، اس ماہِ مبارک کو اس کی اصل معنویت کے ساتھ زندہ کریں۔ یعنی اُس پیغامِ نبوت کی تجدید کریں، جو انسانیت کے لیے ہدایت، تہذیب، انصاف اور روشنی کی آخری شعاع ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جو امت کو یاد دلاتا ہے کہ اس کا سرچشمہ کہاں ہے، اس کی اصل کیا ہے اور اس کی منزل کیسی ہونی چاہیے۔۔۔؟ اگر ہم اس مہینہ میں فکری و روحانی احتساب، اخلاقی تطہیر اور حضور اقدس ﷺ کی سیرت کے ہمہ گیر پیغام کی روشنی کے مطابق عمل کریں تو یہی ربیع الاول ہمارے لیے ایک تازہ ربیع، ایک نئی بہار بن سکتا ہے۔

آیئے! ہم سب مل کر ایک ایسے فکری میلاد کی بنیاد رکھیں، جو نہ صرف جشنِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ ہو، بلکہ جشنِ حیاتِ مصطفیٰ ﷺ بھی ہو۔۔۔ جو محض جذبات کی حد تک نہ رکے، بلکہ شعور، کردار اور دعوت کی سطح پر جلوہ گر ہو۔۔۔ جس میں سیرتِ رسول ﷺ صرف بیان نہ ہو، بلکہ معاشرے میں نافذ ہو۔۔۔ ایسا میلاد، جو رسم کے بجائے نسبت کا مظہر ہو۔۔۔ جشن کے ساتھ جدوجہد کا آغاز ہو۔۔۔ جو امت کو مستقبل کی تعمیر پر آمادہ کرے۔ اس بات کو ذہن نشیں رکھتے ہوئے کہ جیسے حقیقی محبت؛ متابعت کے بغیر کچھ نہیں، ایسے ہی حقیقی متابعت؛ محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر ہم نے یہ زاویۂ نگاہ بنالیا تو حقیقت میں ربیع الاوّل کا یہ مہینہ ہمارے باطن میں نئی روح اور ہمارے ماحول میں نئی زندگی پھونک دے گا۔

یومِ آزادی اور خود احتسابی

ڈاکٹر شفاقت علی شیخ

آزادی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے جو انسان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ اپنی زندگی اپنے عقائد ،اقدار اور خیالات کے مطابق گزار سکے۔ یہ انسان کا فطری حق بھی ہے۔ جس طرح ایک پرندہ قفس میں قید ہو کر خوش نہیں رہ سکتا، اسی طرح انسان غلامی میں نہ تو سچی خوشی محسوس کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور استعداد کو بھرپور طریقے سے استعمال میں لا سکتا ہے۔ آزادی کے بغیر نہ اپنے دین و مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے، نہ تعلیم و تربیت کا فروغ ممکن ہے اور نہ ہی تہذیب و تمدن کی ترقی ہو سکتی ہے۔ آزادی انسان کو سوچنے، بولنے، لکھنے اور عمل کرنے کا حوصلہ دیتی ہے جس قوم کو آزادی کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے، اس کے لیے ترقی، خوشحالی اور خودداری کے راستے پر گامزن ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

برصغیر کے مسلمان ایک عرصے سے انگریزوں کی اعلانیہ اور ہندوؤں کی درپردہ غلامی میں ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے تھے جس نے ایک طرف ان کی سوچنے، سمجھنے اور عمل کی صلاحیتوں کو سلب کر لیا تھا اور دوسری طرف ہر شعبۂ حیات میں انہیں پسماندہ رکھا جا رہا تھا۔ ان حالات میں سر سید احمد خان نے تعلیمی شعور کی بنیاد رکھی، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست کا تصور پیش

کیا اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی بے لوث، ولولہ انگیز اور بصیرت افروز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی ایک طویل جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے نتیجے میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان کے نام سے ایک نئی ریاست دنیا کے نقشہ پر معرض وجود میں آئی۔ یہ محض جغرافیائی سطح پر زمین کا ایک قطعہ حاصل کرنے والا معاملہ نہیں تھا بلکہ اپنے عقائد، کلچر، زبان، روایات اور آزادانہ طرزِ زندگی کو محفوظ بنانے کی کوشش تھی۔ یہ آزادی ہمیں پلیٹ میں رکھ کر یا تحفہ کے طور پر نہیں ملی بلکہ اس کی تہہ میں جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانیوں کی ایک لازوال اور ناقابلِ فراموش داستان ہے جس میں لاکھوں ماؤں، بہنوں، بیٹیوں، جوانوں اور بزرگوں کا عزم واستقلال شامل ہے۔

یقیناً آزادی کا دن قوموں کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ کسی بھی قوم کا یومِ آزادی ایک طرف تو ماضی کی درخشندہ جدوجہد اور مقاصد کی یاد دلاتا ہے اور دوسری طرف مستقبل کے حوالے سے تجدیدِ عزم کا دن ہوتا ہے کہ حصولِ مقصد کے حوالے سے جذبوں اور ولولوں کو تازہ کیا جائے اور ایک نئے عزم اور جوش و خروش کے ساتھ جدوجہد کو تیز کیا جائے۔ چنانچہ مملکتِ خداداد پاکستان میں بھی ہر سال 14 اگست کو نہایت جوش و خروش سے یومِ آزادی منایا جاتا ہے۔ انفرادی و اجتماعی سطح پر ہر کوئی اپنے انداز میں یومِ آزادی کا جشن مناتا اور اس پر خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

اقوام جب اپنے عروج کے زمانہ میں ہوتی ہیں اور ان کا اجتماعی شعور زندہ و بیدار ہوتا ہے تو اس طرح کے ایام کو مناتے ہوئے ایک طرف تو وہ اپنے ماضی کا جائزہ لیتی ہیں کہ اب تک کے سفر میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ کیا کیا غلطیاں کیں اور ان کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑا؟ کہاں سے چلے، کہاں پہنچنا تھا اور کہاں کھڑے ہیں؟ دوسری طرف آئندہ کے حوالے سے لائحہ عمل بناتی ہیں کہ ماضی کے نقصانات کا ازالہ کیسے کرنا ہے اور مستقبل میں تعمیر و ترقی کے سفر کو تیز کرنے اور منزل کی طرف رواں دواں رہنے کے لیے کیا اقدامات کرنے ہیں؟ مگر جب اقوام زوال کا شکار ہو جاتی ہیں اور ان کا اجتماعی ضمیر سو جاتا ہے تو پھر

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

اذان تو ہر جگہ ہو رہی ہوتی ہے مگر بلال رضی اللہ عنہ والا سوز و گداز اور تڑپ موجود نہیں ہوتی۔ فلسفہ کی گتھیاں تو سلجھائی جا رہی ہوتی ہیں اور درسگاہوں میں فلسفہ پڑھایا جا رہا ہوتا ہے مگر غزالیؒ والا ناصحانہ انداز مفقود ہوتا ہے۔ اسی طرح یومِ آزادی کے نام پر شور شرابہ، ہلہ گلہ، آتش بازی، ہوائی

فائر نگ، ون ویلنگ اور طرح طرح کی خرافات تو ہو رہی ہوتی ہیں مگر مقصد کسی کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ یہی سب کچھ آج اس بد نصیب اور عقل و شعور سے عاری قوم کے ساتھ ہو رہا ہے اور کسی کو احساس تک نہیں ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

حکمران طبقات اور ان تمام مافیاز کو جو اس ملک کو گِدھوں کی طرح نوچ رہے ہیں ان کے لیے یہ صورتحال بہت ہی زیادہ پسندیدہ ہے کہ عوام جشنِ آزادی کے نام پر اس طرح کے تماشوں میں مشغول رہیں اور ان کے خونی جبڑے ملک و قوم کا خون نچوڑتے رہیں اور پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔

ہم سے دو سال بعد آزاد ہونے والا چین دنیا کی سپر پاور بننے جا رہا ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ کئی مرتبہ دیوالیہ ہوتے بچے ہیں۔ ایک بجلی کا مسئلہ ہی وبالِ جان بنا ہوا ہے اور جنہوں نے یہ مسئلہ پیدا کیا وہ دیہاڑیاں نہیں بلکہ دیہاڑے لگا رہے ہیں اور مسلسل لگا رہے ہیں اور آج بھی آرام و سکون کے ساتھ دندناتے پھر رہے ہیں۔

آج یہ ملک زخموں سے چور چور ہے۔ یہ زخم بیگانوں نے نہیں بلکہ اپنوں نے ہی لگائے ہیں۔ ملک پر حکومت کرنے والے اربوں اور کھربوں پتی بنتے چلے گئے جب کہ ملک مقروض ہوتا چلا گیا اور آج اس کا بال بال قرضوں کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ آج قائدِ اعظمؒ کی روح زبانِ حال سے پکار رہی ہو گی۔

کیا اس لیے تقدیر نے چنوائے تھے تنکے
کہ بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

قائدِ اعظمؒ کی خدمت میں بصد احترام گزارش کی جاسکتی ہے۔

نشیمن ہی کے بک جانے کا غم ہوتا تو کیا غم تھا
یہاں تو بیچنے والوں نے گلشن بیچ ڈالا ہے

یہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے ایک پاؤ گوشت کی خاطر پورا اونٹ ذبح کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ جنہیں اپنے مفادات اتنے زیادہ عزیز ہیں کہ ان کی خاطر ملک و قوم کے مفاد کو داؤ پر لگا دینا ان کے نزدیک بہت معمولی بات ہے۔ اُونچی مسندوں اور بڑے عہدوں پر بیٹھے ہوئے دیمک کے ان کیڑوں نے اس ملک کو اس طرح چاٹا ہے کہ اس کے پورے وجود کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ قومی زندگی کا ہر شعبہ زوال و انحطاط کا شکار ہے اور اپنی زبوں حالی پر رہنماؤں کے روپ میں موجود رہزنوں کی حرص و ہوس، لوٹ مار اور جبر و بربریت کی نوحہ گری کر رہا ہے۔

پاکستان کے موجودہ مسائل

اردو زبان میں ایک کہاوت ہے: ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' یہ بات آج کے پاکستان پر بالکل صادق دکھائی دیتی ہے۔ لاتعداد قربانیوں اور طویل جدوجہد کے بعد معرض وجود میں آنے والا ملک جس کا نام پاکستان ہے آج اپنے قیام کے 78 سال بعد ''مسائلستان'' بنا ہوا ہے۔ اُوپر سے لے کر نیچے تک ہر شعبہ بگاڑ اور ابتری کا شکار ہے۔ وطنِ عزیز کو مختلف سیاسی، معاشی، سماجی اور اخلاقی چیلنجز درپیش ہیں جن پر قابو پائے بغیر ترقی وخوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چند نمایاں مسائل درج ذیل ہیں:

(۱) سیاسی عدمِ استحکام

پاکستان میں سیاسی قیادت کا فقدان، اداروں کے درمیان عدم ہم آہنگی، بار بار حکومتوں کی تبدیلی، اور الزام تراشی کی سیاست نے ملک کو کمزور کر دیا ہے۔ عوام کا اعتماد سیاستدانوں سے اُٹھ چکا ہے۔ سیاسی استحکام کے بغیر کوئی بھی ملک معاشی اور سماجی ترقی حاصل نہیں کر سکتا۔

(۲) معاشی بحران

پاکستان کی معیشت شدید دباؤ کا شکار ہے۔ مہنگائی، بے روزگاری، کرپشن اور بیرونی قرضوں میں اضافہ نے عام آدمی کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ روپے کی قدر میں کمی اور ڈالر کی قیمت میں اضافہ، روزمرہ اشیاء کو عام آدمی کی پہنچ سے دور کر رہا ہے۔ صنعتیں بند ہو رہی ہیں اور سرمایہ کار ملک چھوڑ رہے ہیں۔

(۳) تعلیمی نظام کی زبوں حالی

پاکستان کا تعلیمی نظام یکساں اور موثر نہیں۔ پرائیویٹ اسکولوں اور سرکاری اداروں میں معیارِ تعلیم کا شدید فرق ہے۔ شرح خواندگی میں بہتری کی رفتار سست ہے، جب کہ دورِ جدید میں تعلیم ہی ترقی کی کنجی ہے۔ فنی اور سائنسی تعلیم کا فقدان نوجوانوں کو بے روزگاری کی طرف دھکیل رہا ہے۔

(۴) صحت کے مسائل

صحت کی سہولیات ناکافی اور ناقص ہیں۔ سرکاری ہسپتالوں کی حالت خراب ہے اور نجی ہسپتال غریب عوام کی پہنچ سے باہر ہیں۔ دیہی علاقوں میں تو صحت کا کوئی نظام موجود ہی نہیں۔ وبائی امراض کے دوران بھی حکومت کی کارکردگی بہت زیادہ قابلِ رشک نہیں ہے۔

(۵) عدل وانصاف کا فقدان

پاکستان میں عدالتی نظام سست، پیچیدہ اور مہنگا ہے۔ عام آدمی کے لیے انصاف کا حصول ایک خواب

بن چکا ہے۔ پولیس نظام میں کرپشن، اقربا پروری اور سیاسی مداخلت انصاف کی راہ میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ طاقتور لوگ قانون سے بالاتر دکھائی دیتے ہیں، جب کہ غریب انصاف کے لیے ترستا ہے۔

(۶) اخلاقی و سماجی بحران

بدعنوانی، جھوٹ، منافقت، خود غرضی، فحاشی، عدمِ برداشت اور بے حسی جیسی اخلاقی برائیاں عام ہو چکی ہیں۔ نوجوان طبقہ بے راہ روی کا شکار ہو رہا ہے۔ سوشل میڈیا پر غلط رجحانات کو فروغ مل رہا ہے، جس سے معاشرتی اقدار متاثر ہو رہی ہیں۔

(۷) کرپشن کا ناسور

کرپشن پاکستان کا سب سے بڑا ناسور بن چکی ہے۔ قومی دولت لوٹنے والے سیاسی اور سرکاری افراد بے خوف نظر آتے ہیں۔ نیب جیسے ادارے بھی سیاسی دباؤ کا شکار ہیں۔ کرپشن نہ صرف معیشت کو کھوکھلا کر رہی ہے بلکہ عوام میں مایوسی کو جنم دے رہی ہے۔

(۸) عوامی شعور کی کمی

پاکستانی عوام میں سیاسی و سماجی شعور کی کمی بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ ووٹ کی طاقت کو صحیح طریقے سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ عوام جذباتی نعروں، فرقہ واریت، ذات پات اور لسانی تعصبات میں الجھ کر اپنے ہی مفادات کے خلاف فیصلے کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ قدرتی وسائل سے مالا مال ملک جس کی سرزمین، آب و ہوا، معدنیات، آبی وسائل، زرعی زمینیں، انسانی وسائل اور جغرافیائی محل وقوع اسے ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہونے کی بھرپور صلاحیت فراہم کرتے ہیں، آج اس زبوں حالی کا شکار کیوں ہے؟ اس کا جواب تلاش کرنے کے لیے بہت زیادہ تردّد کی ضرورت نہیں ہے۔ سامنے کی بات ہے کہ سالہا سال سے جو لوگ اقتدار کے مراکز پر فائز ہیں، ان کی نااہلی، بددیانتی، لوٹ کھسوٹ، اقربا پروری، حرص و ہوس، انانیت، حد سے بڑھی ہوئی خواہش پرستی اور قومی وسائل کی بے دردی و بے رحمی کے ساتھ بندر بانٹ نے ملکی حالات کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ دیانت و کردار کے حامل چند لوگوں کو چھوڑ کر اکثریت کا حال یہ ہے کہ جس کو جہاں موقع ملا اور جتنا موقع ملا، اس نے بہتی گنگا سے جی بھر کر ہاتھ دھوئے اور اندرون و بیرون ملک اثاثہ جات بنانے کی دوڑ میں ملک کو کنگال کر دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آج ہماری معیشت بیرونی امداد اور قرضہ جات کی بیساکھیوں کے سہارے چل رہی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ملک کو اس حال تک پہنچانے میں اس کو لوٹنے والے مافیاز نے دن رات بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ محنت کی ہے اور آج بھی یہ سلسلہ بہت زور و شور سے جاری ہے۔ چنانچہ یہ مسائل ایک دن میں

پیدا نہیں ہوئے اور نہ ہی انہیں ایک دن میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے دردِ دل رکھنے والے باکردار لوگوں کو مل بیٹھنا ہوگا اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ غور و فکر کر کے کوئی مستقل اور قابلِ عمل حل تلاش کرنا ہوگا۔

خود احتسابی کی ضرورت

کسی بھی خرابی کو دور کرنے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے، وہ ہے خود احتسابی۔ خود احتسابی کا مطلب ہے کہ ہر شخص دیانت داری کے ساتھ اپنا جائزہ لے اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے کہ جو مسئلہ پیدا ہوا ہے اس کے پیدا ہونے میں میرا کتنا ہاتھ ہے اور اس کے حل کے لیے میں کیا کردار ادا کر سکتا ہوں؟ بعض اوقات کسی خرابی کے پیدا ہونے میں ایک شخص کا براہِ راست کوئی کردار نہیں ہوتا مگر اس کی خاموشی ہی اسے اس جرم میں کسی نہ کسی درجہ میں حصہ دار بنا دیتی ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص دوسروں کی غلطیوں کا بہترین جج اور اپنی غلطیوں کے معاملے میں بہترین وکیل بنا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بہر حال اگر ہم واقعی اپنی حالت کو بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں یوم آزادی کا جشن منانے کے ساتھ اپنی خود احتسابی بھی کرنا ہوگی۔ خود احتسابی کے تین دائرے ہیں:

(۱) ذاتی خود احتسابی

اس کا مطلب ہے کہ ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ اس نے اپنے وجود پر اللہ کے احکامات کو کس حد تک نافذ کیا ہے۔ خود کو اخلاقی قدروں کے سانچے میں کتنا ڈھالا ہے۔ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور خوبیوں کو نکھارنے، سنوارنے اور پروان چڑھانے میں کتنی محنت کی ہے۔ انسان کا کہیں اور بس چلے یا نہ چلے، اپنے وجود پر تو مکمل اختیار اسے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ چنانچہ اپنی ذاتی اصلاح کے معاملے میں تو وہ مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے اور یہ اس کی اولین ذمہ داری ہے۔

(۲) انفرادی خود احتسابی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر معاشرہ کا ہر فرد اِس بات پر غور کرے کہ جس ماحول میں وہ رہ رہا ہے، اس کے حوالے سے اس کی جو ذمہ داریاں ہیں، انہیں کس حد تک پورا کر رہا ہے اور کس حد تک کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کے عزیز و اقارب، دوست احباب اور ارد گرد موجود دیگر لوگوں کے جو حقوق ہیں نیز جن معاشی سرگرمیوں اور سماجی ذمہ داریوں کا بوجھ اس پر ہے، انہیں کس حد تک خوش اسلوبی سے سر انجام دے رہا ہے۔

(۳) اجتماعی خود احتسابی

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بطورِ پاکستانی اس بات کا جائزہ لیں کہ ملک و قوم کی اصلاح و فلاح کے حوالے سے ہم کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ کام کسی فردِ واحد کے بس میں نہیں ہے۔ اس کے لیے سب لوگوں کو مل جل کر جدوجہد کرنا ہوگی۔ تاہم ہر شخص بقدر استطاعت ہی مکلف ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ بہر حال حالات کا رونا روتے رہنے اور دوسروں کو الزام دیتے چلے جانے سے کہیں بہتر ہے کہ اپنے حصہ کا کردار ادا کیا جائے۔

شکوہِ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

مسائل کا حل کیا ہے؟

ملکی حالات کو شعوری اور ارادی طور پر الجھایا گیا ہے تاکہ یہ قوم اور اس کے افراد کسی صراطِ مستقیم پر صحیح معنی میں گامزن نہ ہو سکیں۔

غیر ممکن ہے حالات کی گتھی سلجھے
اہلِ دانش نے بہت سوچ کے الجھائی ہے

مسئلہ الجھانے والوں کا نہیں، ان کا تو کام ہی الجھانا ہے۔ مسئلہ تو سلجھانے والوں کا ہے کہ ان کی فراست کہاں چلی گئی ہے؟ کیا ان کے حصے میں صرف جلنا کُڑھنا اور رونا دھونا ہی رہ گیا ہے یا اس سے آگے بڑھ کر بھی کوئی کردار انہیں ادا کرنا ہے۔ اُلجھانے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ زمینی حقائق کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے بوقتِ ضرورت آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے سب متحد ہیں اور ایک دوسرے کو تعاون دینے اور لینے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ دوسری طرف سلجھانے کی خواہش رکھنے والے تعداد میں کم نہیں ہیں، بہت زیادہ ہیں مگر ان کا آپس میں کوئی اتفاق اور اتحاد نہیں ہے۔ انہیں آج کے دن تک وہ متفقہ نکات ہی نہیں مل سکے جن پر چلتے ہوئے وہ کوئی مشترکہ جدوجہد کر سکیں۔ اس روش کو بدلنا ہوگا۔ اس حوالے سے دو باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ایلیٹ کلاس جو کسی نہ کسی رنگ میں اقتدار کی لذتوں سے لطف اندوز ہو رہی ہے اور اس ظلم و جبر، لوٹ کھسوٹ اور استحصالی نظام سے فائدہ اٹھانے والی (Beneficiary) ہے اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کسی قسم کی تبدیلی کے عمل میں قائدانہ کردار ادا کرے گی یا کسی بھی سطح پر معاون و مددگار بنے گی، یہ خام خیالی ہے اور بالکل وہی بات ہے جو میرؔ نے کہی تھی۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ عوام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اس طرح کے معاملے میں پیش قدمی کریں گے اور حالات کو بدلنے کے لیے کارواں کی قیادت کریں گے، یہ بھی خوش گمانی ہو گی۔ وجہ یہ ہے کہ عوام (جنہیں دانش مندوں کی زبان میں کالانعام کہا جاتا ہے یعنی جانوروں کی مانند) کی حیثیت صفر کے ہندسہ کی ہوتی ہے اور لیڈر کی حیثیت ایک کے ہندسہ کی۔ صفر جتنی مرضی جمع ہو جائیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر جب وہ ایک کے ہندسہ کے دائیں طرف لگتی چلی جاتی ہیں تو پھر قدر و قیمت اور طاقت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ دوسری طرف ایک کا ہندسہ بھی، جب تک اس کے ساتھ صفر نہ ملیں، کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا قول ہے:

"دو طبقے اعلیٰ اخلاق کے متعلق غور و فکر نہیں کر سکتے: ایک وہ جو بہت زیادہ امیر ہے اور دوسرا وہ جو بہت زیادہ غریب ہے۔"

اس انتہائی بامعنی قول میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے، وہ یہی ہے کہ جو بہت زیادہ امیر طبقہ ہوتا ہے جسے بالعموم ایلیٹ کلاس کا نام دیا جاتا ہے وہ عیش و عشرت میں اتنا ڈوبا ہوتا ہے کہ اس کے اندر سے نازک

جذبات اور لطیف احساسات مر جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی بے حسی و سنگدلی انہیں اس قابل نہیں چھوڑتی کہ وہ دوسروں کا درد محسوس کر سکیں اور اس کے مداوا کے لیے کچھ کر سکیں۔

دوسری طرف بہت زیادہ غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ دو وقت کی روٹی اور جسم و جاں کے رشتہ کو برقرار رکھنے والی انتہائی بنیادی ضروریات (جن میں آج کل بجلی بھی شامل ہے) کے معاملات میں اتنا الجھے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا کہ اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل سے اُوپر اُٹھ کر ملک و قوم کی بہتری اور اجتماعی معاملات کے متعلق غور کر سکیں۔

مشترکہ جدوجہد کا مرکز و محور

سوال یہ ہے کہ مسائل تو بے شمار ہیں اور اگر سارے مسائل کو حل کرنے کا کام بیک وقت شروع کر دیا جائے تو غالب امکان یہ ہے کہ کوئی بھی مسئلہ حل نہ ہو سکے۔ راقم الحروف کے خیال میں تین نکات ایسے ہیں کہ اگر انہیں نقطہ آغاز کے طور پر لیا جائے تو ان پر مختلف الخیال طبقات کو بھی جمع کیا جا سکتا ہے اور ان نکات پر کام کرنے سے آگے بے شمار مسائل کے حل کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔ وہ نکات یہ ہیں:

(ا) بیداری شعور

مسائل کے حل کا پہلا نقطہ یہ ہے کہ عوام میں اس ظالمانہ و فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام کے خلاف شعور پیدا کرنا ہوگا۔ وہ لوگ جن کے اندر حالات کو بدلنے کی درد اور تڑپ موجود ہے اور جن کے پاس سوچ اور ویژن بھی موجود ہے، وہ ہر قسم کے تعصبات سے بالاتر ہو کر حمایت و مخالفت کے قرآنی اُصول؛ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس نظام کی خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے اپنی اپنی سطح پر کردار ادا کریں۔ تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ ذیلی فورمز کے عہدیداران، ذمہ داران اور کارکنان الحمدللہ تعالیٰ اپنی اپنی بساط کے مطابق نہ صرف خود احتسابی کے تینوں دائروں میں سرگرم عمل ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ بیداریٔ شعور کے لیے بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اگر قوم کے وہ طبقات جو ملک کا درد محسوس کرتے ہیں، منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے یا کسی ایسے دوسرے پلیٹ فارم سے جو حقیقی معنی میں اس فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام کی تبدیلی اور مسائل کے حل کے لیے کردار ادا کر رہا ہے، ان کے ساتھ مل کر جدوجہد کریں تو امید کی جا سکتی ہے کہ چلتے چلتے یہ ایک سیلِ رواں بن جائے اور آئیڈیل درجے میں نہ سہی کسی نہ کسی درجے میں خوشگوار تبدیلی کا موجب بن جائے۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل
لوگ ملتے گئے کارواں بنتا گیا

(۲) اخلاقی تربیت

افراد معاشرہ کی اخلاقی تربیت کے لیے ایک جامع منصوبہ مکمل غور و فکر کے بعد بنایا جائے کہ معاشرہ میں تیزی سے بڑھتے ہوئے اخلاقی انحطاط کے اسباب و وجوہات کیا ہیں اور ان کے تدارک کے لیے کون کون سے کام کرنا ضروری ہیں۔ یہ کام اگر اخلاصِ نیت اور ہر قسم کے تعصبات و فرقہ وارانہ نظریات سے بلند ہو کر کیا جائے، نیز محض رسمی کاروائیوں کی بجائے ٹھوس منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے تو حوصلہ افزاء نتائج کے ملنے کے ساتھ ساتھ بہت سے دیگر مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بہت سارے مسائل کی جڑ یہی اخلاقی انحطاط ہے جو معاشرہ کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہے۔

الحمدللہ تعالیٰ تحریکِ منہاج القرآن شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی قیادت میں اس اہم کام پر بھی اپنے قیام کے دن سے ہی کارفرما ہے۔ شیخ الاسلام کی جملہ تصانیف و خطابات اور منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے ہونے والی جملہ سرگرمیوں کا بنیادی اور اہم مقصد ہر طبقہ زندگی کو اخلاقی تربیت کے زیور سے آراستہ کرنا ہے۔

(۳) قیامِ عدل

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (الحدید: ۲۵)

”بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔“

یہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور کتاب و میزان کو اُتارنے کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہنے والے بن جائیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی معاشرہ میں عدل و انصاف اور قانون کی حکمرانی کا ہونا کس قدر ضروری ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو بیشتر جرائم کی بہت بڑی وجہ ملک میں عدل وانصاف کا نہ ہونا ہے۔ آج عدل و انصاف میں یہ ملک پستی کی اس حد تک چلا گیا ہے کہ دنیا کے چند ممالک کے سوا باقی تمام ممالک اس سے بہتر پوزیشن میں ہیں۔ جس معاشرہ میں عدل کا فقدان اور ظلم کا دور دورہ ہو وہاں تبلیغیں خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں کیا کرتیں۔ بیداری شعور اور اخلاقی تربیت کے ساتھ جب معاشرے کا نظام عدل پر قائم ہو تو یہ تمام عوامل مل کر بہت زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو نتائج زیادہ حوصلہ افزاء نہیں ہوتے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیزیں ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

مندرجہ بالا تینوں چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے جدوجہد کرنا عین عبادت اور اس جدوجہد کی راہ میں مرنا عین سعادت ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ کوئی بھی شخص خواہ اس کا تعلق کسی بھی مکتبہ فکر کے ساتھ ہو، علی الاعلان ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ ساتھ دینا یا نہ دینا الگ بات ہے، مگر کسی میں یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ بقائمی ہوش و حواس ان کو غلط قرار دے۔

کوئی بھی نظریہ جب ابتدا میں پیش کیا جاتا ہے تو وہ بالکل سادہ ہوتا ہے نیک نیتی کے ساتھ اس پر غور و فکر کیا جائے تو آگے پھر کئی تفصیلات و جزئیات سامنے آتی چلی جاتی ہیں اور اُس میں نکھار آتا چلا جاتا ہے۔ نیز وقت کے ساتھ ساتھ خود بخود راستے بھی بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت، ۲۹: ۶۹)

”اور جو لوگ ہمارے حق میں جہاد (یعنی مجاہدہ) کرتے ہیں تو ہم یقیناً انہیں اپنی (طرف سَیر اور وصول کی) راہیں دکھا دیتے ہیں۔“

اللہ تعالٰی وطنِ عزیز کو سلامت رکھے اور اسے امن و امان کا گہوارا بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قیادت کے اوصاف

احسان حسن ساحر

کسی بھی کام کی شروعات سے پہلے اس بات پر غور و فکر کیا جاتا ہے کہ یہ اجتماعی کام جن احباب کے سپرد کیا جارہا ہے، کیا وہ اسے کماحقہ درست طور پر انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔۔۔؟ اگر وہ باصلاحیت، باہمت اور دردِ دل رکھنے والے افراد ہیں، ان میں وہ خصائص و محاسن موجود ہیں جن کے سبب وہ اس کام کو احسن طور پر انجام دے سکیں تو اس کام کی بجاآوری میں ان کے ساتھ نصرتِ الٰہی بھی شامل ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ افراد نااہل، بددیانت، خود غرض، مفاد پرست اور شہرت و دولت کے بھوکے ہوں تو یہ قومی، ملکی، سیاسی، تنظیمی اور دینی کام بھی مؤثر و کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا۔

ملک و قوم اور دین کی خدمت کے جذبہ کے نام میں کسی بھی عہدہ حاصل کرنے سے پہلے نہایت ایمانداری اور سنجیدگی سے اپنی ذات کا بخوبی محاسبہ کرنا چاہیے کہ کس نیت اور خیال سے اس عہدہ کا طوق اپنے گلے میں ڈالا جارہا ہے؟ کیا اس میں وہ خوبیاں ہیں جو اس نازک ذمہ داری کو پوری کرنے کے لیے ناگزیر ہیں؟

زیرِ نظر تحریر میں شریعتِ اسلامیہ نے سیاست کا صحیح مفہوم اور قیادت میں پائے جانے والے جو اوصاف وضع کیے ہیں، اگر ان کو پڑھ لیا جائے تو کافی رہنمائی اور آگاہی مل سکتی ہے اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں ہم بخوبی یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیا ان اصولوں کے مطابق وہ اس عہدہ سے وفا کر سکیں گے؟

ہم ملک و قوم کی خدمت کے لیے لفظ ''سیاست'' کو استعمال کرتے ہیں۔ عربی لغت ''اقرب الموارد'' میں لفظ ''سیاست'' کا پس منظریوں بیان کیا گیا ہے کہ اس کا مطلب تادیب، تربیت یا رہنمائی ہے۔ یہ لفظ ان شخصیات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ، باصلاحیت، اہلِ فکر و دانش اور قوم و ملت کی سرپرستی جیسے اوصاف و کمالات کے مالک ہوں اور جو عدل کی بنیاد پر قوم کی حالت بہتر بنانے کے لیے فکر و تدبر اور فہم و فراست سے کام لے کر عوام کی درست سمت میں رہنمائی کرتے ہوئے دنیا و آخرت کے نقصانات سے بچانے کے لیے شب و روز خدمتِ خلق میں مصروف رہیں۔

ان ذمہ داریوں کے پیشِ نظر سیاست ہمیں جو فریضہ ادا کرنے کی ہدایت کرتی ہے، اس سے عہدہ برآ ہونے کا ہر فرد تو اہل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ایک محتاط جائزہ کے بعد یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پورے معاشرے میں چند گنتی کے افراد ہی ایسے اوصاف و کمالات کے مالک ہوتے ہیں جو صحیح طور پر ملک و قوم کی حقیقی قیادت کہلا سکتے ہیں۔ ورنہ ہر کوئی قائد ہونے کا دعویٰ کرنے سے قائد و رہنما نہیں بن سکتا۔

دینِ اسلام میں سیاست کا صحیح تصور ایسی ہی قابل شخصیات سے وابستہ ہے۔ افسوس اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ موجودہ دور میں سیاست کے بنیادی مفہوم کو قطعاً پامال کر دیا گیا ہے اور ہر نااہل، اصل خوبیوں سے عاری خود کو عظیم سیاست دان اور قائد سمجھتا ہے۔ حالانکہ قیادت کے بنیادی اوصاف میں سے ایک وصف بھی اس میں موجود نہیں ہوتا۔ موجودہ وقت کی سیاست کا رجحان و میلان صرف باہمی جوڑ توڑ، ایک دوسرے پر الزام تراشی، گالی گلوچ، ناجائز ذرائع سے حرام دولت اکٹھی کرنا، عوام کے حقوق کا استحصال، اپنی زندگی کو زیادہ سے زیادہ پر تعیش (Luxary) بنانا، عوام کی تکالیف اور اُن کو درپیش مسائل کو حل کرنے کے جھوٹے وعدے کر کے اُن کو طفل تسلیوں سے بہلائے رکھنے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ دینِ اسلام ہمیں جو ہدایات اور تعلیمات دیتا ہے وہ اس سے قطعی مختلف ہیں۔

حدیث مبارک ہے کہ جو شخص حکومت و اقتدار کی تمنا رکھے وہ کبھی مخلص اور وفادار حکمران نہیں ہو سکتا۔ اسلامی کتب کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے قرونِ اولیٰ یا بعد کے زمانے میں ملک و قوم کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیا وہ بڑے باخبر، ہوشمند اور خوفِ الٰہی رکھنے والے احباب تھے۔ خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام نے حسنِ سیاست کو صالح تربیت کا موثر ذریعہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح دیگر ائمہ کرام کا شمار بھی اپنے اپنے وقت کی عظیم قیادتوں میں ہوتا ہے۔ دور کوئی بھی ہو، امامِ وقت کا مقام و مرتبہ اور اس کی حیثیت ایک چمکدار ستارے کی طرح ہوتی ہے۔ اس کی چمک سے تاریکی، جہالت اور گمراہی کے اندھیرے ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک ایسا ہادی (ہدایت دینے والا) اور نگران ہوتا ہے، جس کے دل میں اللہ کے خوف کے علاوہ دوسرا کوئی خوف موجود نہیں ہوتا۔ وہ اگر ڈرتا

ہے تو صرف اپنے خالق و مالک سے۔ مخلوق میں سے کوئی بندہ اسے خائف نہیں کر سکتا۔ یہی وہ کمال اور اعلیٰ وصف ہے جس کے باعث وہ عوام الناس میں زہد و تقویٰ، علم و عرفان کا بے مثل نمونہ بن جاتا ہے اور اسی خوبی کی وجہ سے حقیقی قیادت و سیاست کے جملہ اسرار و رموز اس کی مٹھی میں بند ہو جاتے ہیں۔ اس کی ذات ایک انجمن بن جاتی ہے۔ وہ نہ صرف ایک قابل حکمران ہوتا ہے بلکہ ایک عظیم قائد اور سیاستدان بھی کہلاتا ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عقل و خرد کے ذریعے حکمت و دانش کے اصول حاصل کیے جاتے ہیں اور حکمت کے ذریعہ ہی عقل کی گہرائیوں کو ناپا جاسکتا ہے جبکہ حسنِ سیاست کے ذریعے صالح ادب سکھایا جاتا ہے۔ کسی سلطنت، حکومت، ملک، ریاست یا قوم میں اگر سیاست کا وجود ضعیف اور کمزور ہو جائے تو اس ملک کے عوام میں سیاسی شعور اور مثبت فکر و عمل ختم ہو جاتا ہے اور یہ وہ مہلک عارضہ ہے جس کے نتیجہ میں اس ملک کی سیاسی، معاشی، اقتصادی حالت کے ساتھ ساتھ اس کی قیادت بھی زوال پذیر ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ شاد و آباد مملکت تباہی کے گڑھے میں غرق ہو کر رہ جاتی ہے۔

قیادت و سیاست کے ان تقاضوں اور اوصاف کے سبب مملکت پاکستان کے ہر شہری، سیاست دان، بیورو کریٹ اور مزدور کا یہ ملی فریضہ ہے کہ وہ جس جس محاذ پر مصروفِ کار ہے، اپنی ملکی سیاست کو اس طرف نہ جانے دے جس طرف جانے سے اس کے وجود میں ضعف اور کمزوری پیدا ہو۔ اس کے وجود کو صحت مند اور مستحکم رکھنے کے لیے تعمیری اور فلاحی سوچوں کو اپنے اذہان میں پروان چڑھانا چاہیے تاکہ ملکی سالمیت سلامت رہ سکے۔ اہل دانش کا قول ہے کہ کسی گھر کی سالمیت و سلامتی اور چار دیواری کا تحفظ اس گھر کے باسیوں کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ جب گھر ہی سلامت نہ رہا تو باسی کہاں سلامت رہیں گے۔ مملکت پاکستان ہمارا خوبصورت اور حفاظتی گھر ہے، اس کی سلامتی ہم سب کا قومی فریضہ ہے۔ یہ امر فرضِ عین اور جزوِ ایمان ہے کہ ہمیں ہر اس سیاسی روش سے بچنا ہو گا جو ملک و ملت کے لیے بربادی کا باعث بنے۔ حصولِ اقتدار کے لیے بے بنیاد ناممکن، مہمل اور بلند بانگ کھوکھلے دعوے کر کے رعایا کو یہ جعلی تاثر و یقین دلانا کہ ”ہم ہی وہ محب وطن لیڈر اور سیاست دان ہیں جو صحیح معنٰی میں اس ملک و ملت کے معمار اور بہی خواہ ہیں اور ہمارے ہی دم سے یہ گلشن سیاست مہک رہا ہے،“ ایسے من گھڑت تاثرات و بیانات اور شعبدہ بازی سے کوئی جماعت یا تنظیم سیاست کے اس مفہوم و تصور کو جاندار نہیں بنا سکتی جس کی بنیاد خود نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولین اسلامی سیکرٹریٹ یعنی مسجد نبوی میں رکھی تھی اور جس نافع سیاست کا تصور ہمیں ساڑھے چودہ سو سال پہلے عطا فرمایا گیا تھا۔

سیاست کسی شعبدہ بازی یا کرامت کا نام نہیں بلکہ سیاست تو عباد الرحمن کی دنیا و آخرت کو کامیاب بنانے اور عدل و انصاف کی ٹھوس بنیادوں پر خوشحال معاشی نظام کے قیام اور مملکت میں مکمل نظم و ضبط پیدا کرنے کا نام ہے۔ حقیقی سیاست اور ملک و قوم کی خدمت کوئی رنگ رنگ کے پھولوں کی نرم و گداز سیج نہیں جس پر میٹھی نیند سو جانے سے آدمی تسکین و فرحت محسوس کرے بلکہ یہ وہ خار دار بچھونا ہے جس پر لیٹنے سے انسان کروٹ کروٹ چبھن محسوس کرتا ہے۔ حقیقی قائد دن کو آرام پاتا ہے اور نہ رات کو سکون۔ وہ اسی غم و فکر میں ڈوبا رہتا ہے کہ اگر سلطنت میں کوئی بکری یا کتا بھی بھوک سے دم توڑ گیا تو یوم الحساب اس کی جواب طلبی مجھ سے ہوگی۔ عہدِ حاضر میں ملک و قوم کی رہنمائی کے فریضہ پر فائز ہر سطح کے قائدین و رہنما کا غور و فکر اور سوچ کا زاویہ اسی نوعیت کا ہو اور وہ اپنی منصبی ذمہ داریاں اسی طرح محسوس کرے تو یقیناً پھر ہی ملک و قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔

ملک و قوم کی خدمت اور قیادت کا براہِ راست تعلق ملکی فلاح، عوام کی خوشحالی اور فروغِ دین سے ہے۔ اگر کوئی نااہل اور بے علم شخص ان باتوں سے بے خبر اور عاری ہوگا تو نہ صرف وہ ریاست کی بربادی کا باعث ہوگا بلکہ اپنی دنیا و آخرت بھی برباد کرلے گا۔ سیاست کا شوق رکھنے والے سیاست دانوں کو اس کا صحیح ادراک ہونا چاہیے۔ اس پرکھ کے لیے انہیں اپنی ذات کو ضمیر کی کسوٹی پر رکھ کر خود سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کیا واقعی وہ اس قابل ہے کہ اس منصبِ جلیلہ کی ذمہ داریوں کو کماحقہ ادا کرسکے؟ اگر اس کا کوئی تسلی بخش جواب ملے، ان کا ضمیر انھیں مطمئن کردے تو بلاتاخیر وہ سیاست کے میدان میں قدم رکھے ورنہ اس خواہش اور شوق کو ذہن سے خارج کردے۔

دین اسلام جوڑ توڑ کی سیاست کو قطعی ناجائز سمجھتا ہے۔ دین تو پاک صاف سیاست کا درس دیتا ہے جس میں اللہ کی مخلوق کی فلاح اور انہیں تعلیماتِ اسلامیہ سے روشناس کرانا اور پوری ریاست کے نظام کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔ ایک سچے قائد کا فرض ہے کہ وہ خود کو ایک مثالی اور بہترین نمونہ کے طور پر عوام کے سامنے پیش کرے جیسے رسول کریم ﷺ نے فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قریش مکہ سے پوچھا تھا کہ تم لوگوں نے مجھے اپنے درمیان کیسا پایا؟ سب نے بیک زبان کہا کہ بے شک آپ ﷺ صادق اور امین ہیں۔

مدینہ کی نئی اسلامی ریاست کا قیام آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حکمتِ عملی کا زندہ ثبوت ہے۔ آپ ﷺ نے اس اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اس کے انتظام و انصرام اور نظم و ضبط کو موثر اور اعلیٰ طریق پر چلایا۔ ایک قابل اور عظیم قائد اور سیاست دان ہونے کے ناطے آقا کریم ﷺ نے اسلامی ریاست میں جو نظام رائج فرمایا، اس کی ایک خوبی یہ تھی کہ احکام ربانی کا پیغمبرِ اسلام اور عام مسلمانوں پر یکساں اطلاق ہوتا۔ بااختیار حاکمِ وقت ہونے کے باوجود آپ ﷺ ہر طرح کے امورِ حکومت میں معتبر صائب الرائے اور عوامی شخصیات سے باقاعدہ مشاورت فرماتے اور اس میں کسی قسم کی عار، شرم اور جھجک محسوس نہ کرتے جبکہ آج کے نام نہاد قائدین اور سیاستدان ان خوبیوں سے عاری اور محروم ہیں۔

سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی اپنے ذاتی محاسبہ کے لیے فرمایا:

أَطیعونی ما أَطعتُ اللهَ و رسولَه فإذا عصیتُ اللهَ و رسولَه فلا طاعةَ لی علیکم۔ (ابن کثیر، البدایة والنهایة: ۵: ۲۱۸)

جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں، تم میری اطاعت کرو؛ اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت لازم نہیں۔ مزید فرمایا کہ اگر میں کوئی غلط کروں تو مجھے اس سے روک دینا اور اگر صحیح چلوں تو میرا ساتھ دینا۔

سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ اپنی منصبی ذمہ داریوں سے ہمہ وقت آگاہ رہتے تھے اور اللہ کا حق ادا کرنے میں کسی لمحہ غفلت کا شکار نہ ہوتے۔ ان کے نزدیک کسی بھی بڑے سیاستدان اور حکمران کا اپنی ذات اور وجود کا کوئی مقام اور وزن نہیں ہوتا، صرف اس منصب کا وزن اور اہمیت ہوتی ہے جس پر وہ فائز ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس امر سے بھی بخوبی واقف تھے کہ سیاسی عہدہ پر فائز رہنے والے سیاست دان کے کیا فرائض ہیں اور انہیں کیونکر ادا کیا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی ذات کو قومی مفادات سے بالاتر نہ سمجھتے بلکہ اصولوں کی بالادستی ان کے نزدیک زیادہ اہمیت کی حامل تصور کی جاتی۔

خلافت کی گراں بار ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! ہم اب تمھارے ساتھ جو معاملات کریں گے، وہ تمھارے ظاہری حالات اور اعمال کے مطابق ہوں گے جس نے بھی بھلائی کی روش پر قدم رکھا اسے تحفظ وامن کی ضمانت فراہم کرنا حکومت کا فرض ہوگا۔ اس کے برعکس جس سے کسی قسم کا شر وفساد ظاہر ہوا تو حکومت اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق محفوظ رکھے گی۔ اگر وہ یہ کہتا بھی رہے کہ دل اور نیت سے اس کا ارادہ فتنہ انگیزی نہ تھا، حکومت اس کے ظاہری عمل کے مقابلہ میں اس کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرے گی۔

عہد حاضرہ کے حکمران اور سیاستدان قومی خزانہ کو ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں مگر آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک قومی خزانہ قوم کی امانت اور اربابِ اقتدار اس کے امین ہوتے ہیں۔ فرمایا: ”بیت المال سے میرا معاملہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے یتیم کے مال کے ساتھ اس کے سرپرست کا۔“ خلفائے راشدین کا دور ہمیں فلاحی ریاست کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے جس سے ہم اپنی دیانت وامانت کی شمع روشن کرکے ملکی معاملات میں کئی بہتر اقدام کر سکتے ہیں۔ عہدِ حاضر کے قائدین اگر اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ روزِ محشر ان کی منصبی ذمہ داریوں کی بابت بارگاہِ قدس میں ان سے بازپرس ہوگی تو کافی حد تک ہماری اصلاح ہوسکتی ہے۔

14 اگست کو ہم اپنا 78 واں یوم آزادی منا رہے ہیں۔ اس موقع پر ہمیں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت وسیاست کو بھی اپنے پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ آپ ایک اعلیٰ پائے کے سیاست دان اور ایسے زیرک قانون دان تھے کہ جن میں قدرت نے وہ تمام محاسن واوصاف رکھے تھے جو فطرت کا ایک عظیم عطیہ ہوتے ہیں۔ اگر ان میں یہ خوبیاں نہ ہوتیں تو آج عالمی نقشہ پر پاکستان کا نام تک نظر نہ آتا۔ یہ اُن ہی کی قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ ہماری بہترین توقعات کا گراں قدر سرمایہ، عملی زندگی کا حاصل، شبانہ روز جہدِ مسلسل کا منتہائے مقصود اور دیرینہ سپنوں کی تعبیر یہ مملکت پاکستان آج بصد خوبی ورعنائی نہ صرف اہلِ وطن کے روبرو بلکہ اقوامِ عالم کے سامنے بھی ایک زندہ وجاوید ریاست کی شکل میں موجود ہے۔

جب ملتِ اسلامیہ اپنے دین کی حقانیت کو فراموش کرکے روبہ زوال ہوتی جارہی تھی تو مصلحینِ امت نے اسے از سرِ نو اُسی خالص اسلام سے وابستہ وپیوستہ کرنے کی کوششیں شروع کردیں جو آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کوششوں نے جزیرۃ العرب کی ساری حالت کو بدل کر رکھ دیا۔ یہاں کے باشندے اور جہلاء دنیا کے معزز ومحترم لوگ بن گئے۔ ان کے ہاتھوں میں دینِ اسلام کی رسی تھما کر انھیں کھرا سچا مسلمان بنادیا۔ مسلمان جب تک اسی رسی کو تھام کر قدم بڑھاتے رہیں گے تو نصرتِ

الٰہی ان کو اھلاً وسہلاً کہتی رہے گی۔ عہدِ حاضر میں بھی جب مسلمانوں نے اسی اصول کو اپنایا تو تحفہ کے طور پر 14 اگست 1947ء کو اللہ نے پاکستان عطا فرمادیا۔ ہمیں اقوامِ عالم سے کوئی علاقہ و واسطہ نہیں لیکن جہاں تک مسلمانانِ ہند کی آزاد ریاست کا سوال ہے تو یہ کلیتاً کرشمۂ اسلام ہے۔ جب تک اہلِ اسلام اپنے دین حقہ سے وابستہ رہیں گے، اسلام کے یدِ بیضاء سے ایسے کرشمات کا ظہور ہوتا رہے گا۔

پاکستان کی صورت میں ایک نئی اسلامی ریاست کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لیڈر پیدا فرمائے جن میں وہ تمام جملہ صفات اور خوبیاں موجود جو ایک عظیم قائد اور قابل سیاست دان میں ہونا چاہیں۔ قائداعظم کی قیادت میں تحریک پاکستان کے دوران اگر قائدین کی کہکشاں دیکھی جائے تو ان میں موجود ہر ایک ستارہ روشنی کا ایک مینار دکھائی دیتا ہے۔ ایسے باکمال قائدین اور سیاست دانوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لوگوں کے خیالات کو بدل کر ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ جن سے یہ حقیقت عیاں ہونے لگی کہ پاکستان کا مطالبہ تسلیم کیے بغیر اس خطہ میں امن کی فضا بحال نہ ہو سکے گی۔ بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

اس عظیم وطن کا خواب علامہ محمد اقبالؒ نے دیکھا جو قیادت کے اعلیٰ اوصاف سے متصف تھے۔۔۔ اس خواب کی تعبیر قائداعظم محمد علی جناحؒ اور اُن کے ساتھ شریکِ کار تحریکِ پاکستان کے قائدین کے ہاتھوں ممکن ہوئی جن کی قائدانہ صلاحیتوں اور مدبرانہ سیاست کا ایک زمانہ معترف ہے۔۔۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ملک کی حقیقی معنٰی میں تعمیر کی جائے اور اس تعمیر کے لیے جب ہم اپنے ارد گرد موجود نام نہاد قائدین، سیاستدانوں اور مقتدر قوتوں کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی مذکورہ بالا اوصافِ قیادت و تقاضاہائے سیاست سے متصف نہیں ہے۔

ان حالات میں مگر ایک ایسی قیادت بھی ہمیں نہ صرف اس مملکتِ خداداد کے افق پر چمکتی نظر آتی ہے بلکہ افقِ عالم پر بھی اپنے علم و فکر کے چراغ روشن کرتے دکھائی دیتی ہے۔ وہ شخصیت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہے کہ جن کے پاس نہ صرف جملہ اوصافِ قیادت و سیاست، تدبر، حکمت و بصیرت، علم و حکمت اور دور اندیشی بدرجہ اتم موجود ہیں بلکہ ملک و قوم کے حقیقی مسائل کا فہم اور ان کا قابلِ عمل حل بھی موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم معاشرے کو علم و امن کا گہوارہ بنانے، نوجوان نسل میں اخلاق و تربیت کی آبیاری کرنے، ان کے ایمان کو محفوظ کرنے اور ملک کے جملہ مسائل کے حل کے لیے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے دست و بازو بنیں۔

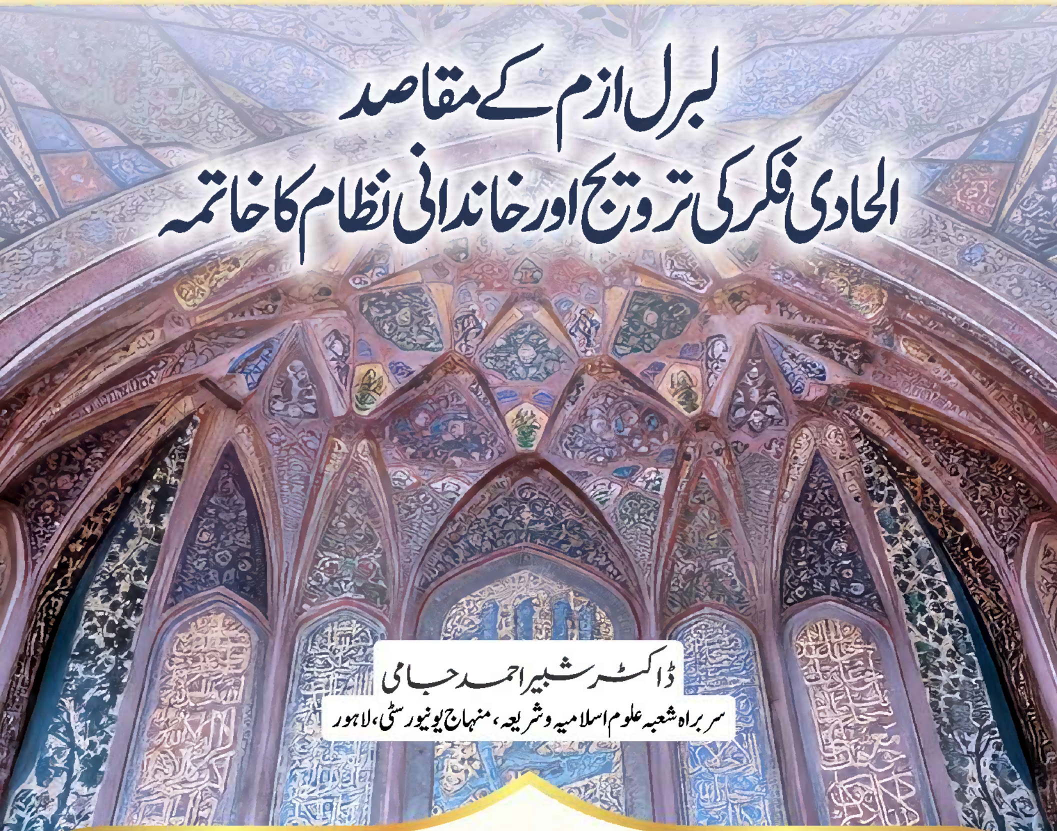

لبرل ازم کے مقاصد
الحادی فکر کی ترویج اور خاندانی نظام کا خاتمہ

ڈاکٹر شبیر احمد جامی
سربراہ شعبہ علوم اسلامیہ و شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور

لبرل ازم (Liberalism) ایک ایسی سوچ ہے جس میں ہر فرد اپنے نظامِ زندگی کو وضع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس سوچ کے حامل افراد میں بحیثیت فرد انسان کی آزادی، ذاتی مصروفیات کے اظہار اور ترقی میں کسی بیرونی مداخلت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ خواہ یہ مداخلت مذہب کی طرف سے ہو یا ریاست کی طرف سے ہو۔ یعنی فرد اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں بالکل آزاد ہے۔ مذہب کے نام پر بے جا پابندیوں کے خلاف ردعمل کے طور پر اٹھنے والی تحاریک میں لبرل ازم بھی شامل ہے۔ جس کا بنیادی فلسفہ ہی انسان کی ہر طرح سے کلی آزادی ہے۔ بنیادی طور پر لبرل ازم کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کا جو جی چاہے کرے لیکن اس حد تک جہاں آپ دوسروں کی آزادی میں مخل نہ ہوں۔

روشن خیال یا لبرلز کا ہدف اسلام کا مذہبی نظام ہی نہیں بلکہ وہ پاکستان میں ہر ایسے نظام کے خواہاں ہیں جو روز بروز مسلمانوں کو مذہب سے دور کرتا جائے۔ اگر ہم یوں کہیں کہ اس خیال کی حامی طاقتیں مسلمانوں کو مذہبی آزادی تو دے سکتی ہیں مگر مسلم ممالک کی باگ ڈور مکمل طور پر اپنے دیدہ و نادیدہ ہاتھوں میں رکھ کر اپنے مطلب کے قوانین کا نفاذ کروانا چاہتی ہیں تو بالکل بجا ہے جبکہ اہل اسلام کے جملہ نظام کے متعلق مفکر اسلام حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

لبرل ازم کے باقاعدہ وسیع اغراض و مقاصد ہیں، جن کو اس کے پیروکار بہر صورت نافذ کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں اور موجودہ دور میں ان کے عزائم کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ مسلم ممالک میں اپنے سیاسی اور معاشی غلبہ کے ساتھ ساتھ مذہبی غلبہ کے بھی خواہاں ہیں۔ بالادست اور طاقتور عوام جب کسی قوم پر سیاسی و معاشی غلبہ پالیتی ہیں تو محکوم لوگوں کے اذہان کو متاثر کرنے اور ان کے اکابر اور ہیروز کی طرف سے ان کے اندر بدگمانی پیدا کرنے کے لیے ان کی تاریخ کو مسخ کردیتی ہیں۔ ان کے پیغمبروں، اولیاء، سلاطین، حکماء اور ان کے مذہب کو خود ساختہ قرار دیتے ہوئے، ان ہی کو ان کی ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ قرار دیتی ہیں اور دوسری طرف اپنے بڑے بڑے ظالموں کو ہیروز بنا کر پیش کرتی ہیں اور اپنے فاسد نظریات کے پرچار کے لیے ہر سطح پر کاوشیں کرتے ہیں تاکہ ان کے ایجنڈے کی تکمیل ممکن ہو۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں: ”دنیا کے تمام مسلم ممالک پر مغربی دنیا کی نظر ہے کہ کسی ملک میں بھی اسلام بطورِ نظام نہ ابھر سکے، جب یہ بطورِ نظام دنیا سے ختم ہو جائے گا تو عقیدہ و مذہب بھی ایک دو نسلوں بعد ختم ہوتا چلا جائے گا۔ دین اور سیاست کو جدا کرنے کے لیے یہ ایک بہت بڑی بین الاقوامی سازش تیار کی گئی ہے اور پاکستان میں یہی سب کچھ نہایت تیز رفتاری سے شروع ہو چکا ہے۔ قوم کو ذہنی طور پر بے دین بننے کی طرف لگایا جا رہا ہے۔“ (فکری مسائل کا اسلامی حل، لاہور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص: ۸۸)

لبرل ازم ایک ایسا عقیدہ، ایک ایسا نظریہ اور ایسی سوچ کا نام ہے جس کے اہداف کا صحیح اندازہ خود لبرلز بھی نہیں لگا سکتے۔ درحقیقت لبرلز ایسی ریاست کا قیام چاہتے ہیں جس میں حاکمیت اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں بلکہ انسان ہو۔ خواہ وہ ایک شخص، ایک خاندان یا ایک طبقے کی حاکمیت ہو یا عوام کی حاکمیت۔ اس ریاست میں قانون ساز انسان ہوں گے اور تمام قوانین انسانوں ہی کی خواہشات اور تجرباتی مصلحت کی بنا پر بنائے جائیں گے اور مفادات، نفع اور مصلحت ہی کے لحاظ سے اس ملک و ریاست کی پالیسیاں بھی بنائی جائیں گی۔

لبرل ازم کے ذریعے امتِ مسلمہ کے اندر درج ذیل مذموم مقاصد کے حصول کے لیے کاوشیں بروئے کار لائی جا رہی ہیں:

۱۔ الحادی فکر کی ترویج

لبرل ازم کا پہلا مقصد الحادی فکر کو فروغ دینا ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کو مکمل ضابطۂ

حیات دینے کے ساتھ ساتھ ہر ذی شعور کو یہ دعوتِ فکر دیتا ہے کہ جس نہج کی آزادی؛ فکر و عمل اور اظہارِ رائے میں اسلام نے انسانیت کو دی ہے، وہ کوئی اور الہامی و غیر الہامی مذہب عطا کرنے سے قاصر ہے۔ مقامِ افسوس یہ ہے کہ پاکستان جیسا نظریاتی بنیادوں پر معرض وجود میں آنے والا وطن چہار جانب سے ایسے اندرونی و بیرونی خطرات میں گھر کر چکا ہے جہاں مسلمانوں کے دینی اور ملی تشخص کو نہ صرف مجروح کرنے بلکہ مسخ کرنے کی مذموم کاوشیں کی جارہی ہیں۔ دراصل آزاد خیالی ہی وہ پہلا زینہ ہے جو الحاد کی راہ ہموار کرتا ہے۔ چنانچہ جب لبرلز اپنے مقاصد کے حصول میں ناکامی محسوس کرنے لگتے ہیں تو کبھی ترقی پسندیت کا اور کبھی روشن خیالی کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ ملحد نظامِ فکر کا بنیادی خاصہ فرد کی بے لگام آزادی ہے۔ یعنی ایک شخص اپنی انفرادی زندگی میں بھی ہر طرح سے مکمل آزاد ہو اور اپنی داخلی اور خارجی زندگی میں بھی وہ مذہب کے تابع نہ ہو۔ مذہب جو دراصل سماجی اصول، عبادات اور اقدار کا ضابطہ فراہم کرتا ہے، ملحدین کے نزدیک یہ نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ عملی زندگی میں غیر حقیقی بھی ہے۔

آزادیِ فکر کے داعی دراصل انسان کو اس نہج پر لے جانا چاہتے ہیں جہاں انسان کفر والحاد کی گود میں جا گرتا ہے۔ ان کے نزدیک آزادی فکر کا مطلب اپنے معبودِ حقیقی سے منہ موڑلینا ہے۔ دراصل یہ دہریہ پن ہے، اسے آزادی فکر کا نام ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ یہ لوگ اسلام کو محض اس لیے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں کہ یہ انسان کو وہ آزادی فکر نہیں دیتا جو انسان کو کفر والحاد کی طرف لے جائے۔

یہ دراصل ایک سراب اور اصطلاحی دھوکہ ہے، جس کا مقصد صرف بے دینی کو فروغ دینا ہے اور معاشرے میں بے حیائی پھیلا کر لوگوں کو اسلام سے دور کرتے ہوئے بالآخر انہیں بے دین بنانا ہے۔ آج روشن خیالی کے سیلاب میں انسان اور انسانیت کی حفاظت و بقا ایک مشکل ترین کام بنتا جارہا ہے۔ ملحدانہ افکار کو پروان چڑھانے میں معاشی اور معاشرتی تقاضوں کو پورا کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں کبھی مذہبی طبقے کا نام لے کر اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، کبھی معاشی اور معاشرتی تقاضوں کا تذکرہ کرکے اسلام کے اصول و ضوابط کو پسِ پشت ڈالنے کی تلقین کی جاتی ہے اور کبھی عقلیت اور روشن خیالی کے پردے میں ملحدانہ خیالات کی ترویج کی جاتی ہے۔

۲۔ مذہبی سیاست کو پنپنے نہ دینا

لبرل ازم کا دوسرا بڑا مقصد دین اور سیاست میں جدائی ڈالنا ہے۔ یورپ نے چونکہ مذہب کو اپنے پاؤں کی بیڑیاں سمجھ کر اتار پھینکا ہے، اس لیے ان کی کوشش یہی ہے کہ کسی طور اسلامی ممالک میں مذہبی سیاست کو پروان چڑھنے نہ دیا جائے۔ ”لبرلزم“ نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر میدانِ عمل میں

ہے اور اس نے سیاست، تمدن و معاشرت، ادب و اخلاق اور معاشیات میں ہر طرح کی قیود سے آزاد ہونے کا نعرہ لگایا ہے۔ وہ مذہب یا ریاست کو یہ حق نہیں دیتے کہ کوئی بھی فرد کے ذاتی ارتقاء اور معاشرے میں اس کے حصولِ نفع کی راہ میں رکاوٹیں عائد کرے۔

۳۔ معاشی استحصال

لبرل ازم کا تیسرا بڑا مقصد اپنے نظریات کو قبول کروانے کے لیے معاشی استحصال کو بطورِ ہتھیار استعمال کرنا ہے۔ انسان فطرتاً ہوس پرست واقع نہیں ہوا بلکہ مادیت پرستی اور روحانیت کی جستجو، ان دونوں اقدار کا شعور انسان کو ودیعت کیا گیا ہے۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ انسانی حواس پر نفس پرستی کا غلبہ رہا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمھم اللہ کی ذواتِ مقدسات نفس پرستی کے عیب سے مبرا ہیں۔ عصرِ حاضر میں جہاں مذاہب کی کشمکش اور تہذیبوں کا تصادم بامِ عروج پر ہے، وہاں اس میں پنہاں عزائم بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آج دنیا کی بڑی طاقتوں کے مقاصد میں جہاں اپنی تہذیب کو دوسرے ممالک پر بالجبر نافذ کرانا شامل ہے، وہاں ان کے مقاصد میں اقتصادیات یعنی معاشی اجارہ داری کا حصول بھی شامل ہے۔ آج ساری دنیا میں معیشت کا مقابلہ جاری ہے۔ معیشت میں کمزوری کا مطلب ہر شعبہ زندگی میں کمزوری ہے۔ جو ملک یہ مقابلہ ہار جاتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ سب کچھ ہار جاتا ہے۔

گذشتہ تین سو سال کے دوران ایک خاص ذہنیت کے طبقہ نے عالمی سطح پر اپنی اجارہ داری اور تسلط قائم کرلیا ہے۔ چنانچہ اب ممالک کے اقتصادی، مذہبی، سیاسی اور تشہیری ذرائع یعنی میڈیا پر بھی اسی گروہ کو مکمل کنڑول حاصل ہے۔ اس گروہ نے سب سے پہلے معیشت کو اپنے قبضہ میں لیا اور پھر اس قوت کو سیاست میں غلبہ پانے کے لیے استعمال کیا۔ جب سیاست پر بھی غلبہ حاصل کرلیا تو اب مذہب کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ مذہب کا زندگی کے کسی دوسرے شعبے سے کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ ہیومن ازم کو مذہب پر ترجیح دینا

لبرل ازم کا چوتھا بڑا مقصد ہیومن ازم کو مذہب پر ترجیح دینا ہے۔ ہیومن ازم کا ظاہری معنی انسان دوستی جبکہ باطنی معنی انسان پرستی ہے۔ اس ٹائٹل کی آڑ میں دراصل لامذہبیت کا سبق دیا جارہا ہے۔ اس نظریہ کے پرچار کرنے والوں کے نزدیک مذہب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہودیت، نصرانیت، اسلام، سب ایک جیسے ہیں۔ دین اور مذہب کچھ نہیں، بس انسان، انسان کا بھائی ہے۔ ہیومن ازم کے پرستاروں نے مذہب کو ثانوی اور انسانیت پرستی کو اولین حیثیت دے رکھی ہے۔

جدید ہیومن ازم ایک فلسفیانہ اور فکری تحریک ہے جو انسان کو کائنات کا مرکز قرار دیتی ہے اور اخلاقیات واقدار کی بنیاد خالصتاً انسانی عقل، تجربہ اور سائنسی منطق پر رکھتی ہے۔ یہ تحریک مذہب کی بالادستی کو مسترد کرتے ہوئے انسان کو اس کے اعمال کا خود مختار اور ذمہ دار سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس، اسلامی تعلیمات میں انسان کے کردار اور مقام کو الہامی اصولوں کے تحت دیکھا جاتا ہے، جہاں اخلاقیات اور اقدار کی بنیاد؛ وحی، اللہ کی رضا اور آخرت کے تصور پر رکھی گئی ہے۔ ہیومنزم کا دعویٰ ہے کہ انسان خود اپنے اخلاقی اصول وضع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ اسلام کا نظریہ ہے کہ اخلاقیات الہامی اصولوں پر مبنی ہیں اور ان کا مقصد صرف دنیاوی کامیابی نہیں بلکہ روحانی پاکیزگی اور آخرت کی کامیابی بھی ہے۔

ہیومنزم اور اسلامی تعلیمات میں بعض مشترک پہلو بھی موجود ہیں، مثلاً انسان کی عزت و تکریم اور انصاف کا فروغ۔ تاہم، دونوں نظاموں میں بنیادی اختلاف اس بات پر ہے کہ اخلاقیات کی حتمی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ ہیومنزم انسانی عقل کو ہر چیز کا مرکز قرار دیتا ہے، جبکہ اسلام اللہ کی حاکمیت کو اصل مرکز مانتا ہے۔ انسان کی آزادی اور انفرادی حقوق کا جدید ہیومنزم کی جانب سے پیش کردہ نظریہ بظاہر بہت پرکشش ہے لیکن اس کا نتیجہ بعض اوقات اجتماعی اقدار کے زوال اور روحانی خلا کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس کے برعکس، اسلامی تعلیمات ایک متوازن نظام پیش کرتی ہیں، جہاں فرد کی آزادی کو اجتماعی فلاح کے اصولوں اور اللہ کی مرضی کے تحت محدود کیا گیا ہے، جس سے ایک منظم اور پرامن معاشرے کی تشکیل ممکن ہوتی ہے۔

ہیومنزم اور اخلاقیات

کوئی بھی فلسفہ یا نظامِ حیات سب سے پہلے معاشرے کے ذہین ترین لوگ تشکیل دیتے ہیں اور پھر اسے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے معاشرے کے ذہین طبقے میں پھیلاتے ہیں جسے عام الفاظ میں اشرافیہ کہا جاتا ہے۔ اس طبقہ کا معاشرے میں تعلیم واشاعت کے تمام ذرائع پر قبضہ ہے۔ یہ طبقہ پہلے اس فلسفہ یا نظام کو دل و جان سے قبول کرتا اور پھر اسے عام لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ عوام تو ویسے بھی ہر معاملے میں اسی اعلیٰ طبقہ کے تابع ہوتے ہیں، اس لیے وہ اسے قبول کر لیتے ہیں۔ اہلِ مغرب میں ہیومنزم کے نظریات کی نشر واشاعت اور ترقی میں جن ذہین افراد نے حصہ لیا انھوں نے خود کو انسانی اقدار اور اخلاق اقدار کا حقیقی علمبردار کہا۔ ہیومنزم کے داعی یہ سمجھتے ہیں کہ ہیومنزم کے علاوہ اخلاقیات کا تصور کہیں نہیں۔ Council for secular Humanism کے بانی پال کرٹز لکھتے ہیں:

”ہمیں انسانی اخلاقیات کی جنگ کا سامنا بھی ہے۔ ہمارے خیال میں اخلاقی انقلاب انسان کے مستقبل کی ضمانت ہے اور اہم بات یہ ہے کہ آخرت اور جنت کے عقیدے کے بغیر یہ انسانی زندگی کو

بہتری کی طرف لے جاتا ہے۔ ہماری بڑی خواہش ہے کہ ہم پہلے اخلاقی اقدار کو تجربے، مشاہدات کی بنیاد پر پرکھیں اور حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں اخلاقی قدروں کا تعین کریں۔ ہمارا طریقہ عالمی ہے، جس طرح کہ Humanist Manifesto 2000 میں کہا گیا ہے۔ ایک اور نقطہ ہے کہ روئے زمین پر تمام انسان برابری کے حقوق رکھتے ہیں اور اخلاقیات کا تقاضا یہی ہے کہ ہر فرد کو برابری کے حقوق ملیں۔ اخلاقی اقدار ایک فرد کی مکمل آزادی، ذاتی حقوق اور معاشرتی انصاف کی کلی ضمانت دیتے ہیں اور یہ صرف ایک انسان تک محدود نہیں بلکہ اس کا تعلق پوری بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور ترقی سے ہے۔“

(The evolution of thought and knowledge, 1965, pp99,336)

ہیومنزم کے اس نظریے نے مغربی معاشرے میں کافی ترقی کی۔ بیسویں صدی سے پہلے مسلم دنیا میں ان کے اثرات نظر نہیں آتے لیکن بیسویں صدی کے آخر میں میڈیا کی ترقی کے ساتھ ہی یہ اثرات مسلم معاشرے میں پھیلتے جارہے ہیں۔ جہاں اخلاقیات سے گری حرکات، فحاشی اور عریانی کو فروغ مل رہا ہے، وہاں ایڈز جیسی ناقابل علاج بیماریاں پھیل رہی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ خاندانی نظام کا خاتمہ بھی ہوتا جارہا ہے۔ اس کا اثر یہ ہورہا ہے کہ کوئی بچوں کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہے اور نہ کوئی بڑے بوڑھوں کی خبر گیری کرنے والا ہے۔ بچوں کے لیے کڈز ہومز اور بوڑھوں کے اولڈ ہومز بنائے گئے ہیں جہاں نہ بچوں کی تربیت ہے اور نہ بوڑھوں کی خبر گیری کرنے والا کوئی۔ یہ اخلاقی معیار ہے کہ جن مراحل اور ادوار میں انسان کو زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ وقت گھر سے دور کڈز اور اولڈ ہومز میں گزرتا ہے۔ یعنی ان کی زندگی اب کڈز ہوم سے شروع ہوتی ہے اور اولڈ ہوم پر ختم ہوجاتی ہے۔

ہیومنزم نے دنیاپرستی کو فروغ دیا جس نے سماجی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مسلم معاشروں کو متاثر کیا ہے۔ مغربی اور مسلم دونوں معاشرے اس کی زد میں ہیں۔ جب انسان کی دنیاوی زندگی اس کی سرگرمیوں کا مطمع نظر بن جائے تو عملی اعتبار سے وہ آخرت کی زندگی کا انکار کرتا ہے اور اخروی تقاضوں کو مکمل طور پر فراموش کردیتا ہے۔ نتیجے کے طور پر پستی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔

۵۔ اسلامی عائلی اور خاندانی نظام کا خاتمہ کرنا

لبرل ازم کا پانچواں بڑا مقصد اسلامی عائلی اور خاندانی نظام کو ختم کرنا ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے جہاں لوگ اپنے مذہب، تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کے مطابق آزادنہ طور پر

زندگی بسر کرتے ہیں۔ اسلام نے جہاں عبادات کا حکم دیا ہے، وہاں معاملات کو بالخصوص پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس کے معاشرتی نظام میں خاندان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ افراد کی عائلی زندگی ہی مضبوط معاشرے کی بنیاد ہے۔ لیکن یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اسلام میں بڑائی کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات، ۴۹: ۱۳)

”اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو۔“

اس آیت کی تفسیر میں پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ صاحب لکھتے ہیں کہ گمراہیاں صرف اس زمانے ہی میں موجود نہ تھیں جنھیں ازمنہ مظلمہ کہا جاتا ہے بلکہ آج بھی ان ہلاکت آفرینیوں سے انسانیت کی جبیں شرم کے مارے غرق آلود ہوتی رہتی ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص: ۶۰۰)

یورپ کے معاشرتی نظام میں خاندان کا تصور ہی محال ہے۔ ہم جنس پرستی، زنا بالرضا، سود، شراب کا استعمال، فحاشی و عریانی جیسے قبیح افعال کو ذاتی زندگی کی آزادی کہہ کر شدت سے اپنایا جاچکا ہے۔ جب سے مغرب نے مرد و عورت کے نکاح کو اس کا ذاتی معاملہ قرار دیا ہے، تب سے وہ سوسائٹی حیوانیت زدہ معاشرے کا منظر پیش کرتی ہے۔ آج مغربی معاشرہ خاندانی زندگی کے نظام اور رشتوں کے تقدس سے محروم ہو چکا ہے اور مغرب کا خاندانی نظام انارکی کی حدوں کو چھو رہا ہے۔

یورپ یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ اسلام کا عائلی نظام انتہائی منظم اور مضبوط ہے اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے جبکہ اس کے برعکس یورپ نے اپنے خاندانی نظام کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ وہ اسلام کے اس خاندانی نظام کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہیں۔ آج وہ ہمارے اندر اُن خیالات کو مختلف طریقوں سے راسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ”مذہبی، معاشرتی، اخلاقی اور خاندانی پابندیاں ایک وبال ہیں۔“ اس سے ان کا مقصود ان خاندانی رسوم و رواج اور اخلاق و ضابطہ کی زنجیروں کو توڑ پھینکنے کا ایک رجحان پیدا کرنا ہے تاکہ نفسانی خواہشات کی آزادانہ تسکین کے راستے میں آنے والے اصولوں کے خلاف ایک بغاوت جنم لے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان خواہشات کے آگے قائم کی جانے والی رکاوٹوں کے سبب انسانی شخصیت کی نشوونما اور ترقی کا سفر رکا ہوا ہے۔

۶۔ اسلامی ثقافتی اور تہذیبی اثرات کا خاتمہ

لبرل ازم کا ایک بڑا مقصد اسلامی ثقافتی اور تہذیبی اثرات کا خاتمہ ہے۔ یورپ کا یہ طرزِ عمل کہ وہ

مسلمانوں کو ایمانی، ذہنی اور اخلاقی خلفشار سے دوچار کریں، آج کا نہیں ہے بلکہ صدیوں پرانا ہے۔ یورپ نے مسلم ممالک میں اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے ساتھ وہاں اپنی تہذیب و ثقافت کو بھی نافذ کرنے کے لیے باقاعدہ منصوبہ سازی کی۔ اب جنگیں صرف فوجی میدان میں نہیں ہوتیں بلکہ ثقافتی اور تہذیبی میدان میں بھی ہوتی ہیں۔ معاشرے کو سیکولر و لبرل بنانے کے لیے ایسی روایات اور اقدار کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر بھی کی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں فحاشی عام ہو۔ المیہ یہ ہے کہ ایسی روایات معاشرے کے لیے کوئی صحت مند سرگرمیاں ہر گز نہیں ہیں بلکہ فکری لحاظ سے حیوانیت اور جنسی بے راہ روی کی طرف مائل کرنے کے اقدام ہیں۔ دراصل ''روشن خیالی'' کا وہ پورا خاکہ جو ہم نے اغیار سے مستعار لے رکھا ہے اس میں رنگ بھرنے کے لیے بھی اسی کی دی ہوئی ثقافتی اقدار کو استعمال کیا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و جرائد اور فلموں کو ایک منصوبہ بندی کے تحت فکر و نظر کی گمراہیاں پھیلانے اور اسلامی اقدار کو مٹانے اور ان کا مذاق اڑانے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے اور ان تمام کو لبرل ازم کا لازمی تقاضا قرار دیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کے دینی اقدار اور پختہ عقائد کو بنیاد پرستی قرار دے کر نئی نسلوں کو اپنی پرانی نسل کے عقیدے اور ایمان سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کے فکری جذبۂ تجسس سے فائدہ اٹھا کر فلمی کہانیاں اور ان کے کردار انہیں ایک ایسی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ ان میں اچھے اور برے اعمال کی تمیز اور احساس ہی ختم ہو جائے۔ جب روح کی پاکیزگی اور حیا جو ایمان کا خاصہ ہے، متزلزل ہو جائے تو انسان اور جانور کا فرق و امتیاز ہی مٹ جاتا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے ثقافت کے نام پر بپا ہونے والا طوفان ہمارے معاشرے پر انتہائی زہریلے اثرات مرتب کررہا ہے۔ اس حوالے سے پاکستان کے تعلیمی اور دینی و اصلاحی اداروں کو موثر کردار ادا کرتے ہوئے ان عوامل کو امتِ مسلمہ سے نکالنا ہوگا تاکہ معاشرے کو تباہ و برباد ہونے سے روکا جاسکے۔

خصوصی ہدایات برائے

میلاد مہم 2025ء

ماہ ربیع الاول اپنی آغوش میں ولادت مصطفی ﷺ کی خوشیاں لئے امت مسلمہ پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے تحریک منہاج القرآن جس جوش و جذبہ ایمانی سے میلاد مناتی ہے، عالمِ اسلام اُس کا معترف ہے۔

✯ امسال بھی جشن عید میلاد النبی ﷺ کو حسب سابق جوش و جذبے اور عقیدت و احترام سے منایا جائے گا۔ اس عزم کے ساتھ کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے   دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردے

اس سال 42ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس ان شاء اللہ العزیز مینار پاکستان پر منعقد ہوگی جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری خصوصی خطاب فرمائیں گے۔ دنیا بھر سے ہزارہا عشاقانِ رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ علماء کرام و مشائخ عظام تشریف لائیں گے۔ تحریک منہاج القرآن اور اس کے جملہ فورمز مرکزی ہدایات کے مطابق میلاد مہم کامیاب بنانے کے لئے محنت و کوشش کریں تاکہ ہم عشق و محبت رسول ﷺ کے اس مقدس ماہ میں اپنے آقا ﷺ کے دین کی تجدید و احیاء اور ”مصطفوی معاشرے کا قیام“ کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کو ممکن بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔

☆ اس سال میلاد مہم کا دورانیہ 9 اگست 2025ء تا 28 ستمبر 2025ء تک ہوگا۔

جملہ تنظیمات اور جملہ فورمز درج ذیل ہدایات کے مطابق میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا کردار ادا کریں:

☆ ربیع الاول کا چاند دیکھنے کے بعد دو رکعت نماز نوافل شکرانہ ادا کریں۔ ☆ اپنے اعزاء و اقرباء، محلہ داروں اور دوستوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارکباد بالمشافہ، ای میل، SMS، فیس بک، WhatsApp، ٹویٹر یا کسی بھی ذریعہ سے دیں۔

☆ استقبال ربیع الاول کے حوالے سے ضلع، تحصیل/ صوبائی حلقہ اور یوسی میں ایک بھرپور جلوس/ مشعل بردار جلوس کا اہتمام کیا جائے۔

☆ 42ویں سالانہ عالمی میلاد کانفرنس کو عظیم الشان بنانے کے لیے جملہ تنظیمات / فورمز / کارکنان محنت کریں۔ علاقہ میں موجود مذہبی، سیاسی، فلاحی تنظیمات کے ساتھ ساتھ طلبہ، وکلاء، مزدور اور کسان یونینز کو بھرپور دعوت دی جائے۔

☆ علاقہ بھر میں استقبال ربیع الاول پر مبارک باد کے بڑے بڑے ہورڈنگز و بینرز لگوائیں۔

☆ صوبائی حلقہ / تحصیل کی تنظیم اپنی تمام یونین کونسلز میں کم از کم ایک میلاد کانفرنس منعقد کرے۔

☆ امسال چونکہ 1500 واں جشنِ ولادت مصطفی ﷺ منایا جارہا ہے، اس لیے اس سال نئے عزم اور غیر معمولی جوش و خروش سے جشنِ میلاد منایا جائے گا۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں 1500 میلاد کانفرنسز کا انعقاد ہوگا۔

☆ ہر تنظیم شیخ الاسلام کی کتب کے دعوتی پیکج تحائف کی صورت میں مذہبی، سیاسی اور مؤثر سماجی شخصیات کو دیں۔

☆ تنظیمات کیبل نیٹ ورک کے ذریعے شیخ الاسلام کے میلاد النبی ﷺ کے حوالے سے خطابات چلوانے کا بندوبست کریں۔

☆ ہر کارکن ماہ ربیع الاول کے پہلے 12 دن کم از کم 1200 مرتبہ اور باقی دنوں میں کم از کم 500 مرتبہ روزانہ درود پاک کا معمول بنائیں۔

☆ ہر رفیق 12 ربیع الاول تک حضور ﷺ کے 1500 ویں جشنِ میلاد کی نسبت سے 15 افراد کو تحریک کا رفیق بنا کر فروغِ عشقِ رسول ﷺ اور احیائے اسلام کی عظیم عالمگیر تحریک کا حصہ بنائیں۔

☆ پورا مہینہ گنبد خضریٰ کا مونوگرام اور نعلین پاک سینوں پر آویزاں کیے جائیں۔

☆ یکم تا 12 ربیع الاول اپنے اپنے گھر میں خواتین، بچوں کو عید میلاد النبی ﷺ کی اہمیت بیان کریں تاکہ بچوں میں میلاد النبی ﷺ کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ اپنے اپنے گھروں میں روزانہ خصوصی حلقہ ہائے درود و فکر کا انعقاد کریں۔

☆ 12 ربیع الاول کے دن بچوں میں عیدی تقسیم کریں اور گھر میں سپیشل کھانے کا اہتمام کریں۔

☆ ہر تحریکی گھرانہ اپنے گلی بازاروں میں آقا ﷺ کی آمد کی خوشی میں بچوں کے اندر کھانے پینے کی اشیاء تقسیم کرے تاکہ شعوری طور پر بچوں کے اندر حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کا احساس پیدا ہو۔ نیز گھروں اور تحریکی دفاتر پر چراغاں کیا جائے جو یکم سے 12 ربیع الاول تک رہے۔

☆ میلاد مہم کو کامیاب بنانے کے لیے یونین کونسلز، تحصیلی، ضلعی اور صوبائی ذمہ داران اپنی میٹنگز میں ابھی سے ہی ذمہ داریاں تقسیم کر دیں اور تمام احباب اس میں بھرپور محنت کریں۔

سیرت و فضائلِ نبوی ﷺ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل عظیم ذخیرۂ علم
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی گراں قدر تصانیف

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
AUG-2025
LAHORE
Regd CPL No.41

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

11 اور 12 ربیع الاوّل کی درمیانی شب

42 ویں سالانہ

عالمی میلاد کانفرنس

مینارِ پاکستان

خصوصی خطاب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ

خواتین کیلئے باپردہ انتظام

منہاج القرآن انٹرنیشنل

LIVE ON MINHAJ

www.minhaj.org | 042-111-140-140

YouTube /DrQadri TahirulQadri